الجبر بالصبر

(بوقت مصیبت تسلی حاصل کرنے کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۹
۲	مشرکین کے اعتراض کی قبل از وقت اطلاع	۱۰
۳	اعتراض پر صبر کا فائدہ	۱۱
۴	ناگواری کے ازالہ کا اہتمام	۱۲
۵	مولانا گنگوہیؒ کی نصیحت	۱۲
۶	حضرت تھانویؒ کی احتیاط	۱۳
۷	مصیبت کا آنا یقینی ہے	۱۴
۸	اہل اللہ کا حال	۱۴
۹	اشکال کا جواب	۱۵

۱۰	قبول دعوت میں علماء کی احتیاط	۱۶
۱۱	لاکھوں کے قرض سے ایک دن میں سبکدوشی کی مثال	۱۷
۱۲	موت کی یاد کا فائدہ	۱۸
۱۳	حکایت	۱۸
۱۴	انسان کی خودغرضی	۱۹
۱۵	حاجی صاحبؒ کا استحضارِ موت	۲۰
۱۶	مصیبت کے ہلکے ہونے کی تدبیر	۲۱
۱۷	آیت کی تفسیر	۲۲
۱۸	قاعدہ کلیہ	۲۳
۱۹	مصیبت کی حقیقت تجارت ہے	۲۳
۲۰	تجارت کی حقیقت	۲۳
۲۱	حالات کی اقسام	۲۴
۲۲	عمل اختیاری پر نعم البدل ملتا ہے	۲۵
۲۳	صبر وشکر کے مواقع	۲۵
۲۴	عبادات میں تجارت ونفع	۲۶

۲۵	حقیقتِ نماز	۲۷
۲۶	مصائب میں تجارت و نفع	۲۷
۲۷	چیزوں میں ہماری ملک کی حقیقت	۲۸
۲۸	جبری کی حکایت	۲۹
۲۹	اشیاء میں انسان کی ملکیت بہت سے مصالح پر مبنی ہے	۳۰
۳۰	بچوں کی موت پر صبر کا طریقہ	۳۱
۳۱	امام صاحبؒ کی تحقیق	۳۱
۳۲	فضول سوالات کے جوابات	۳۲
۳۳	مشاجرات صحابہ کے بارے میں سوال کا مُسکت جواب	۳۳
۳۴	فضول سوالات سے لوگوں کا مقصد	۳۴
۳۵	امام صاحبؒ کی احتیاط	۳۵
۳۶	نابالغی میں مرنے والے بچے جنتی ہیں	۳۵
۳۷	بچوں کی ماں باپ کے حق میں سفارش	۳۵
۳۸	اشکال کا جواب	۳۶
۳۹	بچے کی موت کا نعم البدل	۳۷

۴۰	بڑوں کی موت پر نعم البدل	۳۷
۴۱	حاجی صاحبؒ کے جلدی بیعت کرنے کی وجہ	۴۰
۴۲	عالمِ برزخ میں ملاقات	۴۰
۴۳	بعد از موت روح کا سفر	۴۰
۴۴	مرنے والے کی مغفرت کی امید رکھو	۴۱
۴۵	غم ہلکا کرنے کی ترکیب	۴۲
۴۶	قاضی سراج الحق صاحب کی تواضع اور رحم	۴۲
۴۷	تسلی کے حصول کا طریقہ	۴۴
۴۸	ہارون رشید کی باندی کی فراست	۴۴
۴۹	مصائب سے خدا ملتا ہے	۴۵
۵۰	مصیبت کی حقیقت	۴۶
۵۱	اعمال کا مالِ تجارت ہونا	۴۶
۵۲	آیت سے استدلال پر علمی مباحثہ	۴۷
۵۳	طبعی غم کا فائدہ	۴۹
۵۴	اللہ اکبر کہنے کا ثواب	۵۰

۵۵	طالب علم کی ذہانت	۵۰
۵۶	طلب علم میں مشغول طلباء کی حکایت	۵۲
۵۷	علمی شوق	۵۴
۵۸	علامہ شبلیؒ کا حال	۵۵
۵۹	آج کل کے طلباء کا حال	۵۶
٦۰	طالب علم کی ہوشیاری	۵۷
٦۱	اشکال کا جواب	۵۷
٦۲	والدین کی شفقت	۵۹
٦۳	حضرت تھانویؒ کی ذہانت	۵۹
٦۴	دیانند کی بدعقلی	٦۰
٦۵	غم کا علاج	٦۱
٦٦	غم کا خاص علاج	٦۱
٦۷	تفویض کے طریقے	٦۲
٦۸	ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے	٦۳
٦۹	غم کا فائدہ	٦۴

۷۰	شبہ کا جواب	۶۵
۷۱	آج کل کے لوگوں کے خلاصۂ شریعت کی مثال	۶۶
۷۲	علماء مالِ حلال جمع کرنے سے منع نہیں کرتے	۶۷
۷۳	لوگوں کی پریشانی کا سبب	۶۸
۷۴	نفع مند حکایت	۶۹
۷۵	تفاخر وتکبر کا مرض	۷۰
۷۶	مال کی مقصود بالذات بنانا منع ہے	۷۱
۷۷	ہر ترقی پسندیدہ نہیں	۷۲
۷۸	دین سیکھنے کا آسان طریقہ	۷۳
۷۹	صحبت کا کمال	۷۴
۸۰	جج صاحب کا رشوت سے احتراز	۷۵
۸۱	عاشق صادق کا حال	۷۵
۸۲	محبوب حقیقی کے عشاق کا حال	۷۷
۸۳	خدا کی محبت پیدا کرنے کا آسان طریقہ	۷۹
۸۴	حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر	۷۹
۸۵	خلاصۂ وعظ	۸۰

وعظ

الجبر بالصبر

(بوقت مصیبت تسلّی حاصل کرنے کا طریقہ)

جناب منشی محمد مظہر علی صاحب اور ان کے اہل خانہ کی درخواست پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ تھانہ بھون میں جناب منشی اکبر علی صاحب کے مکان میں ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ بروز دوشنبہ بوقت صبح ۳ گھنٹے ۴۵ منٹ بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔

چونکہ درخواست کنندہ کا ایک فرزند انتقال کر گیا تھا اور اس کے بعد منشی اکبر علی صاحب کا وصال ہو گیا ان کے بعد مولانا شبیر علی صاحب کے لخت جگر صغیر علی اور ان کی ایک بھانجی کا انتقال ہوا اس لئے اس وعظ میں حضرت تھانویؒ نے صبر کی تعلیم ایک عجیب طرز سے دی ہے کہ یہ ثابت کیا کہ دنیا میں جس قدر مصائب ہم پر واقع ہوتے ہیں سب کی حقیقت تجارت ہے کہ ایک چیز ہم سے لی جاتی ہے دوسری دی جاتی ہے پس مصیبت کے وقت ہم کو اس کی حقیقت پر غور کر کے غم کو ہلکا کرنا چاہئے۔

سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی پسِ پردہ عورتوں کا مجمع اس کے علاوہ تھا۔

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے اسے قلمبند کیا اور فرمایا کہ حضرتؒ کا یہ بیان اپنے مضمون میں واحد و بے نظیر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد**: فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم: ﴿یا ایھاالنبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری ان یعلم اللّٰہ فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما اخذ منکم و یغفر لکم واللّٰہ غفور رحیم﴾(۱)

تمہید

مجھ کو اس وقت جو مضمون بیان کرنا ہے یہ آیت اس باب کی تو نہیں ہے مگر اس کے مناسب ہے پھر ایک مناسب سے دوسرے مناسب تک پہنچ کر مقصود کا بیان ہو جائیگا۔ اور گو مقصود کے لئے خاص آیات بھی موجود ہیں مگر مجھے اس وقت تعمیم مطلوب ہے اور وہ تعمیم اس مناسب سے زیادہ واضح ہوگی کیونکہ اس میں مقصود کی علت بھی مذکور ہے یعنی ایتاء نعم البدل (۲) کی جو کہ مقصود ہے علت کہ ایمان ہے مذکور ہے جس کے اشتراک سے مضمون زیادہ عام ہو جاویگا۔ اس لئے اس کو تلاوت میں اختیار کیا گیا۔ تعمیم کا یہ حاصل ہوگا کہ یہ آیت مقصود کو اور اس کے نظائر و اشباہ سب کو شامل ہو جائیگی ۔ اس بیان کا محرک بعض واقعات کا پیش آنا ہے جو اہل

(۱) سورۂ انفال: ۷۰ (۲) اس کا نعم البدل جو دیا جائے گا اس کی علت ۔

واقعات کی طبیعت پر گراں ہیں اس لئے گرانی کے ہلکا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ واقعات مشترک النوع مختلف الاصناف ہیں(۱) نوع تو وفات ہے اور اصناف میں بعض وہ ہیں جو چھوٹوں کے فوت ہونے سے تعلق رکھتے ہیں یعنی بچوں کے انتقال سے اور ایک واقعہ ایسا ہے جس میں فوت ہونے والے بعض کے لحاظ سے بڑے تھے بلکہ اکثر کے لحاظ سے بڑے تھے اور بعض کے لحاظ سے ہمسر (۲) تھے اور وہ اپنے بھائیوں کے لحاظ سے بھی ہمسر تھے گو کچھ تھوڑا بہت عمر میں فرق ہو مگر اخوت (۳) کا تعلق ایسا ہے کہ اس میں ہمسری کا رنگ غالب ہوتا ہے تھوڑے سے فرق سے اس میں ہمسری فوت نہیں ہوتی' یہ واقعات تو اقارب میں پیش آئے اور کل ایک دوست مہمان آئے ہیں ان کے بھی بچے کا انتقال ہوگیا ہے تو اب یہ مضمون اقارب واحباب سب کے لئے خاص طور پر مفید ہے اور چونکہ اس وقت تعمیم کے ساتھ بیان ہوگا اس لئے ہر ناگوار واقعہ میں اس سے نفع ہوگا اور کم وبیش ہر شخص کو دنیا میں کوئی نہ کوئی واقعہ ناگوار ضرور پیش آتا ہے اور جس کو پیش نہ آیا ہو اس کو آئندہ پیش آنے کا احتمال ہے اس لئے یہ مضمون سب کی ضرورت کا ہے اسی لئے علوم دینیہ کی ہر شخص کو ضرورت ہے تاکہ وقوع کے وقت اس سے کام لیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے واقعات کا بھی پہلے سے انتظام فرمایا۔

مشرکین کے اعتراض کی قبل از وقت اطلاع

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ (۴) یہ آیت تحویلِ قبلہ کے متعلق ہے کیونکہ قبلہ کے احکام اول اول بدلتے رہے ہیں پہلے مسلمانوں کا قبلہ بھی بیت المقدس تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو عارضی

(۱) نوع کے اعتبار سے مشترک اور صنف کے اعتبار سے مختلف ہیں (۲) ہم عمر (۳) بھائی ہونے کا رشتہ
(۴) سورۂ بقرہ: ۱۴۲۔

قبلہ بنایا تھا اور آئندہ اس کو منسوخ کرنا تھا اور اس پر کفار کی طرف سے اعتراض واقع ہونے والا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اہتمام فرمایا کہ آئندہ واقع ہونے والے اعتراضات سے مسلمانوں کو زیادہ رنج نہ پہنچے تو پہلے ہی سے اطلاع فرمادی کہ بیوقوف اور نادان لوگ تمہارے اوپر اس اس طرح اعتراض کریں گے تم ان سے دلگیر نہ ہونا۔

اعتراض پر صبر کا فائدہ

اور اس اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ اعتراض سے اثر تو ہوتا ہی ہے اکابر پر بھی اثر ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی صبر کرتا ہے کوئی جواب دیتا اور انتقام لے لیتا ہے ہمارے اکابر کا معمول یہ ہے کہ وہ ایسے مواقع پر صبر کرتے ہیں اور اس میں ایک لطیف راز ہے جو ذوقاً میرے قلب میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا ہے وہ راز یہ ہے کہ یہ حضرات ہر شخص کو اُس کے مقصود تک پہنچانا چاہتے ہیں اور چونکہ معترض کا مقصود ایذا ہے(۱) اس لئے اس کو مقصود میں کامیاب کرنے کے لئے جواب نہیں دیتے کہ اگر جواب دینگے تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوگا کیونکہ جواب دینے سے شفاء غیظ(۲) ہوجاتا اور اعتراض کا اثر ہلکا ہوجاتا ہے پس وہ ایک مسلمان کا جی خوش کرنے کے لئے جواب نہیں دیتے غرض اہل اللہ بے حس نہیں ہوتے ان کو بھی اعتراض سے اثر ہوتا اور ان کا بھی دل دکھتا ہے مگر وہ بعض وجوہ سے صبر کرتے ہیں۔ اگر اعتراض سے اثر نہ ہو تو صبر میں فضیلت ہی نہ ہوگی اس لئے اللہ تعالیٰ نے: ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾(۳) فرمایا ہے کہ جب انکو غصہ آتا ہے تو معافی اور درگذر

(۱)وفیه ان هذا المقصود حرام والاعانة على الحرام حرام والا سلم ان يقال انهم لا يجيبون عملا بقوله تعالىٰ ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ وانما كان من عزم الامور لما فيه من مجاهدة النفس و تسكين الدهماء لما فى الانتقام والانتصار للنفس آثارة الفتنة وزيادتها ولذالسمى الله تعالىٰ جزاء السيئة وان كان عدلا فى ا لحقيقة ولكنه يزيد الشروبورث البغضاء وفيه ان هذا من الاحوال لامن الاعمال والاعانة من الاعمال ۱۲منہ (۲) غصہ کا ازالہ (۳) سورۂ شوریٰ:۳۷۔

سے کام لیتے میں لم یغضبوا نہیں فرمایا کہ ان کو غصہ ہی نہیں آتا کیونکہ غصہ کا نہ آنا کمال نہیں کمال یہ ہے کہ غصہ آئے اور اس کے مقتضٰی پر عمل نہ ہو۔ بعض لوگ اہل اللہ کو فانی سمجھ کر ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ بے دھڑک جو چاہتے ہیں اعتراض کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر اثر نہ ہوگا سو وہ خوب سمجھ لیں کہ اثر ان پر بھی ہوتا ہے اور وہ صبر کرتے ہیں اور ان کے صبر کا وبال اشد ہے(۱) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اعتراض سے ناگواری ہوتی تھی کیونکہ اسی میں اجر ہے مگر ناگواری زیادہ ہو تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہے جس سے دنیا اور دین کے کاموں میں خلل واقع ہونے لگتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام فرمایا کہ گو ناگواری ہو مگر ہلکی ہو تاکہ قابل برداشت ہو جائے اور اجر زیادہ ہو۔

ناگواری کے ازالہ کا اہتمام

حاصل انتظام کا یہ ہے کہ پہلے سے خبر دیدی کہ بیوقوف لوگ عنقریب اعتراض کرینگے اور ظاہر ہے کہ پیش آنے والی بات سے پہلے ہی مطلع کر دینا ناگواری کو کم کر دیتا ہے کیونکہ ناگواری خلاف توقع سے ہوا کرتی ہے مثلاً آپ کسی شخص سے یہ توقع کر کے ملنے جائیں کہ وہ آپ کی بہت زیادہ تعظیم و مدارات کرے گا اس کے بعد اگر اس کی طرف سے ذرا بھی خاطر کرنے میں کمی ہوگی تو بہت رنج پہنچے گا اور اگر اس سے کوئی توقع نہ ہو تو اب اس کی بے رُخی اور روکھے پن سے زیادہ ملال نہ ہوگا کیونکہ اس سے کچھ امید ہی پہلے سے نہ تھی، غرض ناگواری ہمیشہ خلافِ توقع سے ہوتی ہے۔

مولانا گنگوہیؒ کی نصیحت

اسی لئے حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ نے ایک بار اپنے استاذ الاستاذ

(۱) زیادہ سخت ہے۔

کا مقولہ بیان فرمایا کہ راحت اگر چاہتے ہو تو کسی سے توقع نہ رکھنا پھر مولانا نے حاضرینِ جلسہ سے فرمایا کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ خدّام نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے مربّی اور محسن ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارے حال پر شفقت فرماتے ہیں۔ فرمایا مگر میں تم سے خیر خواہی کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ سے بھی توقع نہ رکھنا اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس حالت میں جو کچھ خدمت مجھ سے ہو جائیگی اس کو غنیمت سمجھو گے اور خلاف توقع ہونے کی وجہ سے مسرت ہوگی اور کسی وقت میں خدمت میں کمی کروں تو تم کو شکایت اور ناگواری نہ ہوگی۔

حضرت تھانویؒ کی احتیاط

اور یہی راز اس کا ہے کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے حاجی صاحبؒ کے وصال کے بعد بیعت نہیں کی حالانکہ مجھے رغبت تھی مگر میں نے اسی لیے بیعت نہیں کی کہ حضرت کی عنایات تو میرے حال پر بدوں (۱) بیعت کے بھی بہت ہیں اور جس تعلق کے لئے بیعت کی جاتی ہے وہ مجھے بدوں بیعت کے بھی حضرت سے حاصل ہے اور بیعت سے یہ ہوگا کہ حضرت کے حقوق مجھ پر زیادہ ہو جائیں گے اس وقت اگر کسی بات میں بھی کمی ہوئی تو ممکن ہے حضرت کو ناگواری ہو اور اب حضرت کو میری طرف سے کسی قسم کے حقوق کا انتظار نہیں میں جس قدر بھی حق تعلق ادا کروں وہ سراسر موجب انشراح ہے تکدر (۲) کا احتمال ہی نہیں اور بیعت کے بعد تکدر کا احتمال بھی تھا۔ ممکن ہے کوئی شخص اس کو میرے نفس کی تاویل سمجھے مگر حقیقت میں جو وجہ تھی وہ میں نے بیان کردی، بہرحال چونکہ ناگواری ہمیشہ خلاف توقع سے ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے مطلع فرمادیا کہ تم پر اعتراضات بھی ہونگے اس لئے ان کے لئے ابھی سے آمادہ ہو جاؤ۔

(۱) بغیر بیعت ہوئے ہی بہت ہیں (۲) وہ سراسر حضرت کی خوشی کا باعث ہوگا ناگواری کا احتمال ہی نہیں۔

مصیبت کا آنا یقینی ہے

اور یہیں سے نکتہ معلوم ہوتا ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ نے: ﴿اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ﴾ (۱) فرمایا ان اصابتھم نہیں فرمایا کیونکہ ''اذا'' یقین کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور ''ان'' احتمال کے موقع پر پس ''اذا اصابتھم'' میں بتلا دیا گیا کہ مصیبت تو آوے ہی گی ۔

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید ز جام دہر مئی کل من علیھا فان (۲)

اور اس علم کے بعد مصیبت سے وہ غم نہیں ہوتا جو دفعتا آنے سے ہوتا ہے۔

اہل اللہ کا حال

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ بڑے عاقل ہیں جو موت کو ہر دم یاد کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان پر موت دفعتاً نہ آئے گی اس لئے ان کو موت سے وحشت بھی نہ ہوگی۔ دنیا دار اپنے کو عاقل سمجھتے ہیں یہ غلط ہے وہ بہت سے بہت آکل ہیں (۳) عاقل نہیں ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے دل میں حساب و کتاب معاش کا لگاتے رہتے ہیں اور بڑے بڑے منصوبے قائم کرتے ہیں اور وہ حساب و کتاب پورا ہوتا نہیں کیونکہ ۔

ما کل یتمنی المرأ یدرکه تجری الریاح بمالا تشتھی السفن (۴)

تو جب خلاف امید واقعات ان کو پیش آتے ہیں اس وقت سخت پریشانی کا سامنا ہوتا ہے اور اہل اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت یہ سمجھتے ہیں۔

---

(۱) سورۂ بقرہ: (۲) انسان کے مقدر میں جو کھانا ہے بالضرور اس کو کھائے گا زمانے کے جام سے ہر ایک کو موت کی شراب پینی ہی پڑے گی (۳) کھانے والے پیٹو ہیں (۴) انسان کی ہر آرزو پوری نہیں ہوا کرتی بلکہ ہوائیں کبھی کشتی کے خلاف بھی چلتی ہیں ۱۲ ظ۔

’’شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود‘‘(۱) اور اس کا محض احتمال کافی نہیں کیونکہ احتمال تو سارے عالم کو ہوتا ہے کہ شاید آج موت آجائے بلکہ ان کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے اس شخص کی حالت ہوتی ہے جس کے پاس بادشاہ کا پیام پہنچ جائے کہ آج ہم تم کو بلانے والے ہیں تیار رہنا۔ اور کوئی وقت مقرر نہ کرے۔ تو آپ دیکھیں گے کہ اس شخص کا سارا دن اہتمام ہی میں گذر جاتا ہے اسی طرح اہل اللہ ہر وقت اپنے معاملات کو صاف کرتے رہتے ہیں تاکہ جس وقت بلاوا آجاوے خوشی سے چلنے کو تیار ہوجائیں۔

صاحبو! احتمال وہی معتدبہ ہے جس کے مقتضاء پر عمل ہو ورنہ یوں تو ڈاکو کو بھی ڈاکہ ڈالنے کے وقت سزا کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے مقتضاء پر عمل نہ ہوا تو ایسا احتمال چولہے میں ڈالنے کے قابل ہے پس اہل اللہ کو ’’شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود‘‘ کا احتمال مع العمل ہوتا ہے کہ وہ حقوق اللہ و حقوق العباد سے سبکدوشی کی فکر کرتے رہتے ہیں اگر نمازیں فوت ہوئی ہوں ان کو قضا کرلیتے ہیں یا قضا کرتے رہتے ہیں۔

اشکال کا جواب

اس پر تم شاید یہ کہو کہ دس سال کی نمازیں ایک دن میں کس طرح قضا ہونگی اور جب قضا نہ ہوسکیں تو ہر دم موت کے لئے کیونکر تیار ہوسکیں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جس شخص کو ادا کا اہتمام ہوگیا اور اپنی وسعت کے موافق کام بھی کرنے لگا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں مثل ادا کرنے والے ہی کے ہے پس وہ اپنی وسعت کے موافق ادا کرتا رہے اور جو رہ جائے اس کے متعلق وصیت کرجائے جو ثلث مال سے زیادہ میں صحیح نہیں

(۱) شاید یہی سانس ہمارا آخری سانس ہو۔

اور اس میں بھی بندوں کے حال پر عنایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حقوق کو (بوجہ ان کی احتیاج کے) اپنے حقوق سے (بوجہ استغفار کے) مقدم رکھا پس فرمادیا کہ نماز روزہ وغیرہ کے فدیہ کی وصیت ثلث سے زائد میں نہ کرو کیونکہ اس میں ورثاء کا نقصان ہے اور ہمارا کوئی نقصان نہیں ہم تو اگر چاہیں ویسے بھی معاف کردیں گے پس اگر کسی شخص کے ذمہ لوگوں کا ایک لاکھ روپیہ قرض ہو اور وہ آج ادا کرنے کا ارادہ کرے تو جتنا اس سے ہوسکے ادا کرنا شروع کرے جس کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ اپنے کو زیادہ تنگی میں ڈالے بلکہ اپنی حوائج ضروریہ سے جو فاضل ہو اس کو قرض میں دینا شروع کرے خواہ ایک ہی روپیہ ماہوار ادا کرنا شروع کردے تو وہ آج ہی سے اللہ تعالیٰ کے یہاں سبکدوش قرار پائیگا مگر یہ ضروری ہے کہ فضول خرچیوں کو بند کردے اب اگر اس نے ایک لاکھ میں سے پچاس ہی ادا کیئے اس کے بعد موت آگئی تو وہ عنداللہ کالمؤدی ہے۔(۱)

قبولِ دعوت میں علماء کی احتیاط

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ مقروض کو فضول خرچ بند کردینا چاہیئے اس پر ایک قصہ یاد آیا کہ مولانا نواب قطب الدین صاحبؒ بہت مقروض تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دہلی کے سب بزرگوں کی دعوت کی شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کو بھی مدعو کیا اور مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کو بھی مدعو کیا سب حضرات نے تو دعوت قبول کرلی مگر مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے منظور نہ کی' نواب صاحب نے شاہ اسحٰق صاحبؒ سے انکی شکایت کی' شاہ صاحب نے فرمایا کہ مولوی مظفر حسین کیا تم کو نواب صاحب کی آمدنی میں بھی شبہ ہے اور کیا تمہارے نزدیک ہم نے مشتبہ مال کی

(۱) وہ اللہ کے نزدیک ادا کرنے والے ہی کی طرح ہے۔

دعوت قبول کی ہے مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے سامنے کیا چیز ہوں جو نواب صاحب کے مال کو مشتبہ سمجھوں مگر میں نے اس واسطے دعوت سے عذر کیا کہ نواب صاحب مقروض ہیں اور دعوت میں وہ رئیسانہ خرچ کرینگے جو تین چار سو روپیہ سے کم نہ ہوگا اور مقروض کو ایسا کرنا جائز نہیں ان کو لازم ہے کہ جو رقم دعوت میں خرچ کریں اس کو قرض ہی میں ادا کردیں تو عنداللہ کچھ سبکدوشی ہو جائے' شاہ صاحب نے یہ بات سن کر فرمایا کہ بھائی اس طرف ہمارا ذہن بالکل نہیں گیا واقعی تمہاری رائے صحیح ہے اور اب ہم بھی دعوت قبول نہ کرینگے چنانچہ سب بزرگوں نے انکار کردیا اور یہی کہا کہ آپ کو بجائے دعوت میں رقم لگانے کے قرض میں یہ رقم ادا کرنی چاہئے۔ حالانکہ ان کے قرضہ میں اس رقم سے کچھ سہارا نہ لگتا تھا کیونکہ قرض بہت تھا مگر عنداللہ اتنا ادا کرنا بھی معتبر ہے دنیاداروں کے یہاں تو قاعدہ یہ ہے کہ ایک لاکھ میں سے ایک روپیہ ادا کرنا معتبر نہیں مگر عنداللہ معتبر ہے یعنی وہ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

لاکھوں کے قرض سے ایک دن میں سبکدوشی کی مثال

دنیاداروں کی تو یہ حالت ہے کہ ایک راجہ پر ایک لالہ کا قرض تھا اس نے عدالت میں نالش کی' حاکم نے لالہ سے کہا کہ سود معاف کردو اور اصل لیلو' اس نے انکار کیا کہ ہمارا تو کاروبار سود ہی پر ہے اور یہی ہماری کمائی ہے اس کو کیونکر معاف کردوں؟ حاکم نے کہا بہت اچھا تم اصل بھی لو اور سود بھی لو چنانچہ اس نے مع سود کے ڈگری کردی مگر فیصلہ میں یہ لکھا کہ قرض قسط وار وصول کیا جائے اور قسط ایک روپیہ سال مقرر کردی کیونکہ حاکم کو یہ اختیار ہے کہ جتنی چاہے قسط مقرر کردے۔ اس فیصلہ سے لالہ تو گویا زندہ درگور (۱) ہو گیا اس کے نزدیک یہ ادا قابل شمار نہ ہوئی مگر

(۱) گویا زندہ ہی زمین میں دفن کردیا گیا۔

عندالحاکم (۱) معتبر ہے، وہ شبہ جاتا رہا کہ اگر کسی کے ذمہ دس سال کی نمازیں قضا ہوں یا دس لاکھ روپیہ قرض ہو تو وہ ایک دن میں کیسے سبکدوش ہو سکے گا سو میں نے بتلا دیا کہ ایک دن کے اندر ہی انسان تمام حقوق سے حکماً سبکدوش ہوسکتا ہے۔

موت کی یاد کا فائدہ

تو اہل اللہ موت کو یاد کرتے ہیں اور اس کے مقتضاء پر عمل بھی کرتے ہیں اس سے ان کو آخرت کا نفع تو ہوتا ہے دنیا میں بھی راحت ہوتی ہے کیونکہ جب وہ ہر دم موت کو یاد کرتے ہیں تو کسی مصیبت سے وہ پریشان نہیں ہوتے کیونکہ جب ان کو موت سے جو اشد الحوادث (۲) ہے وحشت نہیں تو اور کسی حادثہ سے پریشانی کیوں ہوگی اور دنیا دار کو موت سے بہت وحشت (۳) ہے اس لئے وہ ہر ایسی مصیبت سے پریشان ہو جاتا ہے جس میں موت کا خطرہ ہو۔

حکایت

چنانچہ شاید مولانا جامیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بڑھیا کی لڑکی جس کا نام مہستی تھا بیمار ہوئی تو بڑھیا اس کی محبت میں کہا کرتی کہ اے موت مجھے لے لے اور بچی کو چھوڑ دے، ایک دن وہ گھر میں بیٹھی تھی اس کی گائے محلّہ میں کسی کے گھر میں چلی گئی اور ہانڈی میں منہ ڈالدیا ہانڈی اس کے منہ میں پھنس گئی اور وہ اسی حلیہ سے گھر میں آئی تو بڑھیا یہ سمجھی کہ یہ موت ہے جس کو میں روزانہ پکارا کرتی تھی تو وہ گھبرا کر کہتی ہے کہ ؎

گفت اے موت من نہ مہستیم پیر زالِ غریب محنستیم

(۱) اس کے نزدیک تو یہ ادائیگی معتبر نہیں تھی لیکن حاکم وقت کے نزدیک معتبر تھی (۲) جو حادثات میں سب سے بڑا حادثہ ہے (۳) پریشانی۔

''اے موت میں مہستی نہیں ہوں مہستی تو وہ سامنے پلنگ پر پڑی ہے میں تو غریب بڑھیا ہوں'' موت کے خیال سے ہی ساری محبت اور مامتا جاتی رہی اب وہ موت سے کہتی ہے کہ مہستی وہ پڑی ہے اسے لے لے۔

انسان کی خودغرضی

بات یہ ہے کہ انسان بڑا خودغرض ہے اس کو اولاد سے محبت بھی اپنے حظ نفس کے لئے ہے کہ اُن کے تماشے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور یہ جو بعض لوگ کسی کی محبت میں جان دیدیتے ہیں شاید کوئی یہ سمجھے کہ وہ دوسرے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے یہ غلط ہے بلکہ وہ بھی حظ نفس کے لئے جان دیتا ہے کیونکہ وہ رنج عشق کے تحمل سے اپنے کو عاجز سمجھتا اور جہل کی وجہ سے موت کی تکلیف کو اس سے اخف (۱) سمجھتا ہے اس لئے وہ موت کو اس کلفت پر اپنی ہی راحت کے لئے ترجیح دیتا ہے پس انسان سب خودغرض ہیں خواہ دین کی غرض ہو یا دنیا کی' پھر دینداروں میں بھی کوئی ثواب کی نیت کرتا ہے کوئی ثواب سے بھی بالا ہے مگر وہ بھی خودغرض ہے کیونکہ وہ رضائے حق کا طالب ہے اور یہ غرض سب سے بالاتر ہے جیسے ایک صاحبِ حال بزرگ کے سامنے کسی نے دوسرے کو کہا پانی پلادے ثواب ہوگا یہ سن کر فرمایا ہائے ثواب کے لئے پانی پلاتے ہو محبوب کے لئے نہیں پلاتے' ظاہر میں یہ بزرگ بے غرض معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی غرض مند تھے کیونکہ وہ ایسی غرض کے طالب تھے جس سے بڑھ کر کوئی غرض نہیں۔

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ایک بار رسالہ ''ارشادِ مرشد'' مجھے دیا کہ مطبع نظامی میں طبع کرادیا جائے کیونکہ مطبع نظامی میں تصحیح وخوبی طبع کا اہتمام

(۱) ہلکا۔

تمام مطبعوں سے زیادہ تھا چنانچہ رسالہ طبع کرا کر میں حضرت کی خدمت میں لے گیا حضرت نے اس کے مصارف دریافت فرمائے تو میں نے عرض کیا حضرت عبدالرحمٰن خاں صاحب بڑے سخی ہیں انہوں نے اس کا کچھ عوض نہیں لیا محض ثواب کے لئے طبع کر دیا ہے فرمایا کہ عبدالرحمٰن خاں کو تم سخی کہتے ہو وہ تو بڑے بخیل ہیں کہ ایک روپیہ کے بدلہ میں سات سو روپے کے طالب ہیں انہوں نے یہاں بھی اپنی تجارت کو نہیں چھوڑا۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسان سب خود غرض ہیں اس لئے اپنی جان سے زیادہ کسی کو کسی سے محبت نہیں اس لئے دنیا دار لوگ موت سے اور مصائب سے بہت گھبراتے ہیں اور اہل اللہ چونکہ موت کو یاد کرتے رہتے ہیں اور اس کے لئے ہر دم تیار رہتے ہیں اس لئے اب انکو نہ بیوی کے مرنے کا رنج ہوتا ہے نہ بچے کا' کیونکہ وہ تو خود ہی موت کے لئے تیار ہے اور ان کی ہر بات سے دوسروں کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ ہر دم موت کے لئے تیار ہیں۔

حاجی صاحبؒ کا استحضارِ موت

چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک شخص روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ اس کو شفا عطا فرمائیں حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ عجیب بات ہے ایک شخص قید خانہ سے چھوٹ رہا ہے اور دوسرا روتا ہے کہ یہ قید خانہ سے کیوں رہا ہوتا ہے وہ کہنے لگا۔ حضرت میری روٹی کون پکائیگا' فرمایا جی ہاں جب تم ماں کے پیٹ میں تھے تو وہ وہاں بھی تم کو روٹی پکا کر کھلاتی ہوگی۔ پھر فرمایا کہ میاں تم بھی چند روز میں وہیں پہنچنے والے ہو جہاں وہ جا رہی ہے میں نے دل میں کہا کہ آیا تو تھا بیوی کو موت سے بچانے اپنی ہی موت کی بشارت لے چلا' اس وقت تک تو حضرت ہنس ہنس کر باتیں کرتے

رہے اس کے بعد ایک ایسی بات پر برہم ہوگئے جو آج کل برہم ہونے کی بات نہیں سمجھی جاتی بلکہ حسب دین کی علامت سمجھی جاتی ہے وہ کہنے لگا کہ حضرت فلاں شخص نے مجھے مدینہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا اب وہ وعدہ سے ہٹنے لگا ہے دعا فرمادیجئے کہ وہ مجھے مدینہ لے جائے پس حضرت یہ سنتے ہی برہم ہوگئے فرمایا ہمارے سامنے شرک کی باتیں نہ کرو(۱) حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر بات بات سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہر دم کے لئے تیار ہیں اور ہر کام میں خدا تعالیٰ پر نظر ہے اب ایسے شخص پر موت گراں ہوگی اور وہ کسی مصیبت سے کیوں پریشان ہوگا۔

مصیبت کے ہلکے ہونے کی تدبیر

غرض جس مصیبت کے لئے انسان پہلے سے آمادہ رہے اس پر وہ مصیبت خفیف ہوجاتی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ﴿سَیَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ﴾ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلے سے مطلع فرمادیا کہ تحویلِ قبلہ کے وقت تم پر اعتراضات ہوں گے ان کے لئے آمادہ ہوجاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ آئندہ واقعات سے مسلمانوں کو زیادہ رنج وکلفت نہ ہو اور اسی لئے شریعت کی تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس تعلیم میں اس کا لحاظ فرمایا ہے کہ پریشانی اور غم اس سے ہلکا ہوجاتا ہے۔

میں ایسا ہی مضمون بیان کرتا ہوں کہ اس کے استحضار سے کسی غم میں ثقل نہ رہیگا۔ یہاں تک داعی اور محرک کا بیان تھا اب میں مضمون کا حاصل حقیقت کے لحاظ سے بتلانا چاہتا ہوں تو اس مضمون کی حقیقت اس عنوان سے

---

(۱) غیر اللہ پر اتنی نظر کہ اس کے ہی لے جانے سے تم مدینہ پہنچو گے ۱۲ ظ۔

جو آج بیان ہوگا شاید کبھی سننے میں نہ آئی ہوگی اس لحاظ سے یہ تعلیم جدید ہے گو فی الواقع علوم دینیہ سب قدیم ہیں مگر ہمارے علم وسماع کے لحاظ (۱) سے بعض علوم جدید ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے انکو سنا نہیں یا خاص عنوان سے نہیں سنا۔

آیت کی تفسیر

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ جنگ بدر میں کچھ کفار قید ہو کر آئے تھے جن کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا۔ حق تعالیٰ کو یہ امر ناپسند ہوا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد ان قیدیوں کے متعلق ارشاد ہے: ﴿يَـآ اَيُّهَـا الـنَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَـمِ اللّٰـهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَـغْفِرْ لَكُمْ﴾ ”اے نبی (ﷺ) ان لوگوں سے جو آپ کے ہاتھوں میں قیدی ہیں فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں کچھ بھلائی دیکھیں گے (مراد ایمان ہے) تو تم کو اس مال سے بہتر (عوض) عطا فرمائیں گے جو تم سے (اس وقت فدیہ میں) لیا گیا ہے اور تمہاری مغفرت فرما دینگے“۔

مراد یہ ہے کہ تم کو دنیا ہی میں اس کا عوض اس سے بہتر عطا فرمادینگے، مقابلۂ مغفرت سے ظاہر یہی ہے کہ اس جملہ میں اعطاء فی الدنیا مراد ہے اور جملہ ثانیہ میں اجر آخرت مراد ہے ﴿ویغفر لکم﴾ یعنی آخرت میں تمہاری مغفرت فرمادینگے: ﴿وَاللّٰهُ غَـفُـوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ کہ ”اللہ تعالیٰ تو بہت مغفرت فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں“ (۲) حاصل آیت کا یہ ہوا کہ اگر تمہارے دل میں ایمان ہو تو تم کو اس مالی نقصان کا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے جو فدیہ سے اس وقت پہنچا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو دنیا وآخرت میں اس کا نعم البدل عطا فرمائینگے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہر نقصان و

(۱) ہمارے جاننے اور سننے کے اعتبار سے (۲) اس لئے تم کو وعدہ میں تردد نہیں کرنا چاہیئے ۱۲ ظ۔

مصیبت کا نعم البدل ملتا ہے اور ہر چند کہ مورد آیت کا خاص ہے مگر جس امر پر اس وعدہ کو مرتب فرمایا ہے وہ مورد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے(۱)۔

قاعدہ کلیہ

اس لئے آیت سے یہ قاعدہ مفہوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہر مصیبت کا نعم البدل ملتا ہے یہاں تو تعمیم پر کوئی صیغہ صراحتاً دال(۲) نہیں مگر دوسری نصوص سے اس تعمیم کی تائید ہوتی ہے۔

مصیبت کی حقیقت تجارت ہے

اس وعدہ اور قاعدہ کو ملحوظ رکھ کر ایک اور حقیقت واضح ہوئی وہ یہ کہ مصیبت کی حقیقت تجارت ہے یہی حقیقت ہماری نظر سے غائب ہوتی ہے اس لئے مصیبت سے رنج زیادہ ہوتا ہے۔

تجارت کی حقیقت

اب دیکھو کہ تجارت میں انسان یہ چاہا کرتا ہے کہ میرے مال کی نکاسی ہو کہ جو چیزیں میرے ہاتھ کے تلے ہیں کوئی ان کا لینے والا خریدنے والا ہو اگر خریدار کوئی نہ آئے تو تاجر گھبرا جاتا ہے خاص کر ایسی اشیاء میں جو باقی رہنے والی نہیں جیسے کل کے روز برف بہت ارزاں دلی کے بھاؤ پر مل گیا تھا کیونکہ خریدار کم ہوئے اور برف کا رہنا دشوار تھا اس لئے دہلی کے بھاؤ پر یعنی اپنی خرید پر ہی دے گیا شہروں میں تو ایسا بہت ہوتا ہے کہ شام کو برف نہایت ارزاں ہوجاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تاجر اپنے مال تجارت کے پڑا رہنے پر رنجیدہ ہوتا ہے نکل جانے پر

---

(۱) یہ آیت اگرچہ ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی مگر یہ وعدہ اس موقع کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے(۲) اس کے عموم پر کوئی صیغہ دلالت نہیں کرتا۔

رنجیدہ نہیں ہوتا حالانکہ وہ اپنے خریداروں کے ہاتھ ایک محدود نفع پر بیچتا ہے مگر پھر بھی وہ خریداروں کا مشتاق رہتا ہے کہ کوئی میرا مال لے لے مرابحہ نہ ہو تو تولیہ ہی ہو تولیہ نہ ہو تو میلی کچیلی صافی ہی سہی (۱) یعنی نفع نہ ہو تو کچھ خسارہ ہی سہی چنانچہ بعض دفعہ ایسے مال کو جس کا خریدار کوئی نہ ہو کسی قدر خسارہ سے بھی فروخت کردیتا ہے، جب تجارت کی یہ حقیقت ہے تو صاحبو! اگر میں یہ ثابت کردوں کہ یہ واقعات رنج و مصیبت تمام تر تجارت ہی ہیں اور تجارت بھی ایسی جس سے بڑھ کر نفع کسی تجارت میں نہیں ہوتا تو کیا پھر بھی نالہ وشیون (۲) باقی رہے گا۔ میں رنج طبعی کا منکر یا مانع نہیں جو فطری طور پر ہوتا ہے بلکہ میں آگے اس کی ضرورت پر کلام کرونگا کہ طبعی رنج تو ہونا چاہیئے ورنہ ثواب واجر ہی نہ ہوگا مگر میں اس وقت رنج عقلی کے متعلق گفتگو کررہا ہوں کہ واقعاتِ رنج و مصیبت کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد رنج عقلی نہ ہونا چاہیئے۔

حالات کی اقسام

خلاصہ یہ ہے کہ حالات کی دو قسمیں ہیں گوارا و ناگوار، پھر ان میں سے ہر اک کی دو قسمیں ہیں اختیاری و غیر اختیاری، یہ کل چار قسم کے حالات ہوئے جن میں سے ہر اک کے متعلق جدا جدا حقوق ہیں اور مؤمن اگر ان کے حقوق ادا کرتا رہے تو اس کو نعم البدل ملتا ہے اس لئے مؤمن کسی حالت میں نقصان میں نہیں بلکہ ہر حالت میں نفع میں ہے۔

---

(۱) نفع سے نہ بکے تو برابر سرابر بک جائے یہ بھی نہ ہو تو تھوڑے نقصان ہی سے بک جائے (۲) آہ وزاری۔

عمل اختیاری پر نعم البدل ملتا ہے

اسی لئے حدیث میں ہے:((نعم الرجل المؤمن ان اصابته سراء حمد وان اصابته ضراء صبرو فی کل اجر)) او کماقال ''مؤمن آدمی بڑی اچھی حالت میں ہے اگر اس کو راحت پہنچتی ہے حمد و شکر کرتا ہے اگر تکلیف پہنچتی ہے صبر کرتا ہے اور ہر ایک میں اس کو اجر ملتا ہے'' یعنی شکر میں اجر ہے اور صبر میں بھی' اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امور غیر اختیاریہ میں جو اجر ہے وہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو اختیاراً اُس وقت مؤمن سے صادر ہوتے ہیں یعنی راحت میں حمد جس کی حقیقت یہاں شکر ہے اور وہ ایک عمل ہے جو اس نے حق تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا ہے اس کے عوض میں اجر ملتا ہے اور مصیبت میں صبر کرنا بھی ایک عمل ہے جس پر اجر ملتا ہے پس دونوں صورتوں میں نعم البدل اُسی عمل پر ملا جو اختیاری ہے۔

صبر و شکر کے مواقع

پس جس طرح اعیان کے اعطاء واخذ (۱) کے عوض میں بھی انسان کے اوپر کچھ حقوق ہیں یعنی شکر وصبر مثلاً حق تعالیٰ بندے کو نعمت مال عطا فرمائیں یا نعمت اولاد تو اس کے عوض میں اس کے اوپر شکر واجب ہے یا اس سے مال واولاد کو لے لیں تو اس پر صبر واجب ہے اسی طرح اعراض واعمال پر بھی یہ حقوق ہیں مثلاً نماز روزہ وغیرہ کی توفیق عطا فرمائیں یا ذکر میں انوار وعلوم عطا فرمائیں تو اس پر شکر لازم ہے اور اگر ذکر میں انوار و کیفیات سلب ہوجائیں تو اس پر صبر لازم ہے اور یہاں خود اعمال پر بھی اجر ملتا ہے اور ان کا شکر ادا کرنے پر بھی اجر ہے چنانچہ نماز

(۱) چیزوں کے دینے لینے۔

روزہ، حج اور زکوٰۃ کے عوض تو اس کو وہ اجر ملتا ہے جو خیال سے باہر ہے حدیث میں ہے: ((اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر)) تو نماز، روزہ، حج وزکوۃ پس جملہ اعمال صالحہ کا بجالانا بھی ایک تجارت ہوئی جس کے نفع کی یہ شان ہے کہ ؎

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را   کہ بیک گل می خری گلزار را
نیم جاں بستاند و صد جاں دہد   آنچہ در وہمت نیاید آں دہد(۱)

عبادات میں تجارت و نفع

اور اگر عبادت کا تعلق اموال سے ہو تو وہ بھی تجارت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً لفظ ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ﴾(۲) جس میں تجارت کی حقیقت پر صاف طور سے تنبیہ ہے (وقال تعالی: ﴿فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ﴾(۳) وفیہ لفظ الشراء بمعنی البیع (۴) وقال: ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ﴾(۵) وفیہ ان اختیار الکفر صفقۃ خاسرۃ(۶) وقال تعالی: ﴿وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِہٖٓ اَنْفُسَھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ ۱۲ظ) چونکہ تجارت کی طرف طبائع عام طور سے راغب(۷) ہیں اسی لئے تجارت کا عنوان اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا کہ تم جو اعمال کرتے ہو وہ درحقیقت ایک معاملہ تجارت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم کر رہے ہیں۔

---

(۱) آپ نے یہ کیسا بازار قائم کیا ہے کہ ایک پھول کے عوض پورا باغ خریدتے ہیں ایک جان لیتے ہیں تو سو جانے عطا فرماتے ہیں جس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا آپ وہ عطا فرماتے ہیں (۲) سورۂ توبہ:۱۱۱ (۳) سورۂ نساء:۷۴ (۴) اس میں لفظ شراء ہے جو تجارت کے معنی میں ہے (۵) سورۂ بقرہ:۱۶ (۶) اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ کفر اختیار کرنا ایک خسارے کا معاملہ ہے (۷) تجارت کی طرف عام طور پر طبیعتوں کو میلان ہے۔

حقیقتِ نماز

افسوس نماز کو ہم لوگوں نے اسی لئے مصیبت سمجھ لیا ہے کہ اس کی حقیقت نہیں سمجھی اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ اس کی حقیقت تجارت ہے کہ ایک چیز دیدی اور ایک چیز لے لی تو نماز سے کبھی گرانی نہ ہو اور نہ اس کو بیگار کی طرح ٹالا جائے بلکہ جس طرح تاجر اپنے مال کو صاف ستھرا رکھتا ہے اور خوبصورت بنا کر خریدار کو دیتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا کرتے' یہ تو گوارا حالات کے متعلق بیان تھا۔

مصائب میں تجارت ونفع

اب ناگوار حالات کے متعلق سنیئے کہ ان میں بھی تجارت کی حقیقت موجود ہے اور گو اس حقیقت سے جہل عام ہے نعمتوں میں بھی اور مصائب میں بھی مگر نعمتوں میں اس جہل کا وہ ضرر نہیں جو مصائب میں ہے کیونکہ نعمتوں میں رنج تو نہیں ہوتا جس سے پریشانی بڑھ کر دین اور دنیا کے کاموں میں خلل واقع ہو بخلاف مصائب کے کہ وہاں اس حقیقت کے جہل سے رنج کا اثر دل پر چھا جاتا ہے جس سے تمام کاموں میں خلل واقع ہو جاتا ہے اس لئے یہاں علاج کی ضرورت زیادہ ہے۔ اب میں مصائب کے متعلق بھی اس حقیقت کو ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

سنیئے احادیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب میں بھی تجارت کے الفاظ حضور ﷺ نے استعمال فرمائے ہیں چنانچہ آپ کی صاحبزادی کا بچہ مرنے لگا اور انہوں نے حضور ﷺ کو بلایا تو آپ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: ((ان للہ ما اخذ وللہ ما اعطی و کل عندہ باجل مسمی

فلتصبر و لتحتسب)) کہ ’’ اللہ ہی کا ہے جو کچھ دیا اور اللہ ہی کا ہے جو لیا پس صبر کریں اور ثواب کی امید رکھیں‘‘ یہاں اخذ و اعطاء ہے اور اخذ و اعطاء ہی تجارت کی حقیقت ہے یہاں محض صوری تجارت ہے حقیقی تجارت نہیں کیونکہ حقیقی تجارت تو یہ ہے کہ اپنی چیز دے اور دوسرے کی لے اور یہاں جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے۔

چیزوں میں ہماری ملک کی حقیقت

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہم بچہ کو کوئی چیز بطور اباحت کے دیں (۱) پھر کسی مصلحت سے وہ چیز اُس سے لے لیں اور دوسری دیدیں مثلاً کسی کو اپنی اولاد کو اصول تجارت سکھلانا مقصود ہے وہ اس کو ایک آبگینہ کا ٹکڑا دیتا ہے اور ایک اشرفی کے بدلہ میں بچہ سے اس کو خرید لے تاکہ وہ آبگینہ کی حقیقت اور روپیہ و اشرفی کی قیمت سے واقف ہو جائے تو یہ درحقیقت تجارت نہیں ہے بلکہ صورت تجارت ہے‘ اسی طرح حق تعالیٰ نے بعض چیزیں بندہ کے نامزد کردی ہیں جو اباحت ہی کے طور سے ہے گو اس پر ملک کے آثار بھی مرتب کئے گئے ہیں مگر حضرت حق کی ملک کے اعتبار سے یہ نامزدگی اباحت ہی ہے ہاں دوسروں کے اعتبار سے ملک کہنا صحیح ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے طلباء کو مدرسہ سے کتابیں دی جاتی ہیں تو مدرسہ کی ملک کے اعتبار سے تو یہ کتابیں طلباء کے نامزد بطور اباحت کے ہیں مگر بعض آثار اس میں ملک کے بھی ہیں چنانچہ ایک طالب علم سے دوسرا طالب علم بلا اذن کے کتابیں نہیں لے سکتا اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی بعض مصالح کی وجہ سے بعض اشیاء کو ہمارے نامزد فرما دیا ہے‘ ایک مصلحت تو یہ ہے کہ نامزدگی میں بندہ کو حظ آتا ہے کہ میرا مال‘ میری بیوی‘ میرا بچہ‘ میری زمین‘ میرا مکان وغیرہ وغیرہ۔

(۱) اباحت کی قید اس لئے بڑھائی تاکہ آگے شرعی اعتراض نہ ہو ۱۲ ظ۔

دوسرے یہ کہ تا کہ اس سے کوئی چھین نہ سکے اگر نامزدگی نہ ہو اور بندہ کی ملک نہ ہو تو کسی کے پاس کوئی چیز سلامت نہ رہے اور یہیں سے میں کہتا ہوں کہ حقیقت شریعت کی محتاج ہے یعنی وہ حقیقت جو عام طور پر صوفیاء کے ذہن میں ہے (۱) مگر جس حقیقت کو جہلاء صوفیاء گاتے پھرتے ہیں کہتا ہوں کہ وہ بھی شریعت کی محتاج ہے اگر شریعت نہ ہو تو صوفی صاحب کی تسبیح و مصلی اور نذرانے اگر کوئی ملّا نا لے جائے پھر وہ بُرا نہ مانیں کیونکہ ؎

در حقیقت مالک ہر شے خدا ست　　　ایں امانت چند روزہ نزد ماست (۲)

جب بندہ کی کوئی شئے نہیں نہ اس کو حق ملک حاصل تو ملّانوں کو یہ کہنے کا حق ہے کہ کچھ دنوں خدا کا مال تم نے برتا اب ہم برتیں گے اعتراض اور ناگواری کی کیا بات ہے۔

جبری کی حکایت

جیسے مولانا نے ایک جبری (۳) کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک شخص کے باغ میں گھس کر مالک کے سامنے انگور توڑ توڑ کر کھانے لگا۔ مالک نے کہا میاں یہ کیا حرکت ہے نہ اجازت لی نہ قیمت دی اور میرے باغ میں لگے تصرف کرنے' جبری نے کہا بس بس خاموش بیٹھا رہ باغ بھی خدا کا پھل بھی خدا کا میں بھی خدا کا تو روکنے والا کون ہے' مالک باغ بڑا ہوشیار تھا اس نے اپنے غلام کو آواز دی کہ ایک رسی اور کُھتکا (۴) لانا غرض دونوں نے رسی میں جبری کو باندھا اور کٹائی شروع ہوئی اب لگا چلانے مالک باغ نے کہا کہ رسہ بھی خدا کا کُھتکا بھی خدا کا میں بھی خدا کا تو

(۱) ورنہ طریقت و حقیقت شریعت ہی کے اجزاء ہیں ۱۲ ظ (۲) حقیقت میں ہر چیز کا مالک اللہ ہے یہ تمام چیزیں میرے پاس چند روزہ امانت کے طور پر ہیں (۳) یہ ایک فرقہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے جو حرکت کرتا ہے اس میں اللہ کے حکم کے تحت مجبور ہے (۴) ڈنڈا۔

بھی خدا کا پھر چلاتا کیوں ہے، چونکہ چوٹ کا تحمل نہ ہوسکتا تھا اس لئے یہ جواب نہ دے سکا کہ چلانا بھی خدا کی طرف سے ہے اس لئے اعتراض لغو ہے بلکہ ہوش درست کر کے کہنے لگا۔

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار　　　اختیار ست اختیار ست اختیار (۱)

وہ چوٹ کھا کر صوفی نہ رہا بلکہ مولوی ہوگیا۔ تو صاحبو! اگر یہ حقیقت واضح کردی جائے تو سب آدمی بالشویک ہوجائیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ سب انسان مساوی ہیں کسی کو کسی سے زیادہ مالدار بننے کا حق نہیں بلکہ جس کے پاس زیادہ مال ہوتا ہے اس سے لیکر غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

اشیاء میں انسان کی ملکیت بہت سے مصالح پر مبنی ہے

حضرت حاجی صاحبؒ نے مثنوی کے اس شعر کا۔

سر پنہان ست اندر زیرو بم　　　فاش گر گویم جہاں برہم زنم

یہی مطلب بیان فرمایا تھا کہ اگر مسئلہ وحدۃ الوجود ظاہر کردوں تو عالم میں فساد برپا ہوجائے کم فہموں کی نظر سے امتیاز اٹھ جائے یہ جو عالم میں نظام وامن قائم ہے یہ شریعت ہی کی بدولت ہے کہ یہ زید کا حق ہے یہ عمرو کا حق ہے دوسرے کے حق میں تصرف حرام ہے، تو ان مصالح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بندہ کے نامزد بعض چیزیں کردی ہیں مگر اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ تم اس نامزدگی سے حق تعالیٰ کا بھی مقابلہ کرنے لگو۔ اگر کوئی آقا اپنے غلام سے کہہ دے کہ یہ پلنگ تمہارا ہے تو اس میں مصلحت یہ ہے کہ دوسرے غلام اس کو تنگ نہ کریں بلکہ اس کی نامزد چیزیں بلا

(۱) کہنے لگا میں اپنے عقیدہ جبریہ سے توبہ کرتا ہوا اے ہوشیار بلکہ اس بات کا قائل ہوگیا ہوں کہ بندہ اپنے اختیار سے افعال کرتا ہے۔

تکلف اس کو تصرف کرنے دیں اب اگر یہ غلام آقا کو بھی اس پلنگ پر بیٹھنے سے روکنے لگے تو یقیناً وہ بڑا نمک حرام ہوگا۔ صاحبو! یہی حالت ہماری ہورہی ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ کہ خدا تعالیٰ نے تو ہماری مصلحت کے لحاظ سے نامزدگی فرمائی تھی ہم خدا تعالیٰ کے تصرف کو بھی ان چیزوں سے روکنا چاہتے ہیں اور اگر وہ کوئی تصرف کرتے ہیں تو ہم پیٹ پھاڑ کر مرے جاتے ہیں حالانکہ جو چیز بادشاہ کے نامزد ہوجائے اور اس کے خزانہ میں پہنچ جائے وہ تو زیادہ محفوظ ہوجاتی ہے ہمارے نامزد رہتی تو خطرات کا اندیشہ تھا۔

بچوں کی موت پر صبر کا طریقہ

چنانچہ جس بچہ کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس کے بارے میں یہی آیا ہے کہ اس کی فطرت میں کفر تھا اگر زندہ رہتا کافر ہوتا اور ماں باپ کو اس سے بہت محبت تھی اندیشہ تھا کہ ماں باپ پر بھی اس کے کفر کا اثر پہنچتا کیونکہ جس طرح اولاد ماں باپ کے اثر سے بگڑتی ہے اسی طرح کبھی والدین بھی اولاد کے اثر سے بگڑ جاتے ہیں تو اب جو اولاد بچپن میں مرجائے ان کے متعلق سوچنا چاہیئے کہ نہ معلوم یہ جوان ہوکر کیسے ہوتے ممکن ہے جوانی میں یہ ایسے ہوتے کہ ہم کو ان سے نفرت ہوتی اور ہم خود ان کی موت کی تمنا کرتے اور اب معصومی کی حالت میں انتقال ہوا ہے تو یہ سب خطرات سے محفوظ ہوگیا کیونکہ معصوم بچے جمہور کے نزدیک جنّتی ہیں۔

امام صاحبؒ کی تحقیق

اور امام صاحبؒ سے جو اس مسئلہ میں "اللّٰہ اعلم بما کانوا عاملین"(۱) منقول ہے جس کا حاصل توقف (۲) ہے تو اس کی وجہ یا تو عدم بلوغ نصوص (۳) ہے اور

(۱) اللہ ہی جانتے ہے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا (۲) کوئی واضح حکم نہ بتانا (۳) شاید امام صاحبؒ کو وہ حدیثیں نہیں پہنچی ہوں گی جس میں بچوں کا جنتی ہونا ذکر کیا گیا۔

اس میں کچھ نقص نہیں کیونکہ تدوین علوم واحادیث سے پہلے علماء کو نصوص تدریجاً ہی پہنچتی تھیں تو ایک وقت میں اگر کسی عالم کو کوئی حدیث نہ پہنچے تو کیا تعجب ہے۔ اور تو اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ پر بھی ایک وقت ایسا گذرا ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَاالْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (۱) اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے ہوتا ہے: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا﴾ (۲) کہ زیادتِ علم کی دعا فرماتے رہا کیجئے جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے علوم میں بھی تدریجاً ترقی ہوتی تھی۔

دوسری بات میرے ذہن میں امام صاحبؒ کے توقف کے متعلق یہ آئی ہے کہ امام صاحبؒ نے اس عنوان میں ہم کو ایسے امور کی تحقیق سے منع فرمایا ہے جن پر دین کا مقصود موقوف نہیں چونکہ بچوں کے دخول جنت وعدم دخول کی تحقیق (۳) پر کوئی دینی مقصود موقوف نہیں ہے تو جس کو اس کی تحقیق نہ ہوئی وہ اس کے درپے نہ ہو اس لئے امام صاحبؒ نے سائل کو مجمل جواب دیا اس کے سامنے تحقیق بیان نہیں فرمائی کیونکہ اس کا سوال فضول تھا۔ امام صاحبؒ نے بہت سے فروع میں اسی اصل کو ملحوظ فرمایا ہے۔

فضول سوالات کے جوابات

آج کل ایسے فضول سوالات بہت کئے جاتے ہیں جن پر دین کا کوئی مقصود موقوف نہیں مثلاً یہ سوال کیا جاتا ہے فلانا کام بڑا گناہ ہے یا چھوٹا گناہ ہے؟ میں جواب دیا کرتا ہوں کہ اگر چھوٹا گناہ ہوا تو کیا ارتکاب کا قصہ ہے؟ اگر کہے ہاں تو میں کہتا ہوں کیا کبھی اپنے چھپر میں چنگاری لگانے کے متعلق بھی یہ سوال کیا ہے کہ یہ چنگاری چھوٹی ہے یا بڑا انگارہ ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ چھوٹی چنگاری ہے تو

(۱) ''آپ کو خبر نہ تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے ولیکن ہم نے قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں'' سورۂ شوریٰ: ۵۲ (۲) سوۂ طٰہ: ۱۱۴
(۳) بچوں کے جنت میں جانے نہ جانے کی تحقیق پر۔

کیا اس کو چھپر میں لگانے کی جرأت کروگے؟ اگر کہو نہیں کیونکہ ذرا سی چنگاری بھی کبھی بڑھ جاتی ہے میں کہتا ہوں کہ اسی پر چھوٹے گناہ کو قیاس کرلو جو شخص چھوٹے گناہ پر جرأت کرتا ہے وہ کل کو بڑے گناہ پر بھی جرأت کریگا۔

اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ چند مُردوں کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہوکر پہنچے گا یا بلا تقسیم کے سب کو برابر پہنچے گا اگر تقسیم ہوکر پہنچتا ہے تو ابا جان کو تو بہت کم ملے گا۔ میں کہتا ہوں کہ تم اس فکر میں کیوں پڑے اگر تقسیم ہوکر بھی ثواب پہنچا تو اللہ تعالیٰ کو بڑھانا بھی تو آتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چھوارہ کے صدقہ کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ جبلِ احد سے بھی بڑھ جاتا ہے اب بتلاؤ کہ پہاڑ میں کتنے ارب چھوارے ہوں گے اور اتنے ارب میں اگر تقسیم جاری ہو تو کیا حرج ہے۔ ارے میاں اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ذرا سا عمل بھی قبول ہوجاوے تو بہت ہے پھر تم کس فکر میں پڑے' ہمارے حاجی صاحب نے خوب فرمایا ہے ؎

گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالۂ وفریاد ہم بس ہے اپنا ایک یہی نالہ اگر پہنچے وہاں

مگر اب علماء بھی ان مسائل کی تحقیق کے درپے ہوجاتے ہیں اور ہم نے بھی لڑکپن میں ایسی تحقیق کی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ مشغلہ فضول تھا پس عوام کو یہ چاہیئے کہ فضولیات کی تحقیق نہ کریں اور علماء کو یہ چاہیئے کہ ان فضولیات کا جواب نہ دیں۔

مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں سوال کا مُسکت جواب

مولانا محمد نعیم صاحب لکھنویؒ سے ایک شخص نے حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا' مولانا نے سائل سے پوچھا کہ اور یہ سوال کس کا ہے اور وہ اور تم کیا کام کرتے ہو؟ کہا کہ سوال فلاں حافظ صاحب کا ہے اور وہ رنگریز ہیں اور میں درزی ہوں' فرمایا کہ تم کپڑے سیتے رہو اور ان حافظ صاحب سے

کہہ دو کہ کپڑے رنگتے رہیں علی جانیں اور معاویہ جانیں تم سے ان کے معاملے کا کیا تعلق میں اطمینان دلاتا ہوں کہ قیامت کے دن ان کا مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہ آئیگا۔

فضول سوالات سے لوگوں کا مقصد

اسی طرح ایک شخص نے میرٹھ میں ایک عالم سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کے والدین شریفین مومن تھے یا نہیں؟ عالم نے کہا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں کہا ہاں پڑھتا ہوں کہا اچھا بتلاؤ نماز کے اندر کتنے فرض ہیں' اب وہ خاموش ہیں' فرمایا جاؤ تم کو نماز کے فرائض کی خبر نہیں جس کا سب سے اول قیامت میں حساب ہوگا اور زائد باتوں کی تحقیق کے درپے ہو' اور ان فضولیات کی تحقیق میں نفس کا کید یہ ہے کہ فرائض وواجبات کی تحقیق میں تو عمل کرنا پڑتا ہے اور عمل دشوار ہے اور فضولیات کے سوال میں لوگ تو اس کو دیندار سمجھیں گے کہ ایسے ایسے باریک سوال کرتے ہیں اور کرنا کچھ پڑتا نہیں اس لئے عام طور سے لوگ فضول سوال کر کے دیندار مشہور ہونا چاہتے ہیں۔ خیر عوام تو جاہل ہیں مگر بعض علماء کو کیا ہوگیا کہ وہ بھی ایسے سوالات کا جواب دیتے ہیں میں ایسا روگ نہیں پالتا چنانچہ ایک جنٹلمین نے ابھی چندروز ہوئے سود وغیرہ کی بابت سوال کیا۔ میں نے کہا کہ میں فلسفی نہیں ہوں اس لئے میرے ذمہ مصالح واسرار وفلسفۂ احکام کا بیان کرنا ضروری نہیں صرف اللہ ورسول ﷺ کا حکم بیان کرنا میرے ذمہ ہوگا اس لئے میں قال اللہ وقال الرسول کے سوا کچھ نہ کہونگا تو امام صاحبؒ نے اس احتیاط کی وجہ سے اس مسئلہ میں جواب واضح نہیں دیا بلکہ توقف کے عنوان سے سائل کو سوال لا طائل (۱) سے روکنا چاہا۔

---

(۱) لمبے بیکار سوال سے روکنا چاہا۔

امام صاحبؒ کی احتیاط

دوسرا راز امام صاحبؒ کے ایسے جواب میں یہ ہے کہ اطفال کا جنتی ہونا اصل میں اخبارِ احاد سے ثابت تھا مگر عوام احاد اور متواتر میں فرق نہیں کرتے اس لئے احتیاط کی اور یہ احتیاط وہ کریگا جس کو عظمتِ حق کا ذوق ہو۔ اس سے بڑھ کر دیکھئے ملائکہ و انبیاء علیہم السلام قطعاً معصوم ہیں مگر حالت یہ ہے کہ انبیاء تھراتے ہیں لرزتے ہیں، تو جہاں عظمت کا غلبہ ہوگا وہاں احتیاط ضرور ہوگی اس لئے امام صاحبؒ نے اس مسئلہ میں توقف کے ساتھ جواب دیا تاکہ عوام اس پر جزم (۱) کر کے بے فکر نہ ہو جائیں اور عشرہ مبشرہ (۲) کے بارے میں توقف اس لئے نہیں فرمایا کہ وہاں جو نصوص ہیں وہ معناً متواتر اور اجماعی ہیں لیکن اب ممکن ہے کہ مسئلہ اطفال بھی ظنی سے بڑھ گیا ہو بوجہ انضمام اجماع متاخر (۳) کے گو وہ اجماع بھی مختلف فیہ ہو کیونکہ بعض اجماع مختلف فیہ بھی ہیں جیسا اہل علم کو معلوم ہے۔

نابالغی میں مرنے والے بچے جنتی ہیں

لہٰذا اب ہم کو اس پر یقین کر لینا چاہیئے کیونکہ اب یہ مسئلہ گویا متفق علیہ ہے دوسرے ہمارا علاج اسی میں ہے کہ ہم بچوں کو معصوم اور بے گناہ سمجھیں کیونکہ ہم لوگ بچوں کے مرنے سے زیادہ دلگیر ہوتے ہیں ہم کو تسلی کی زیادہ ضرورت ہے اور زیادہ تسلی اس میں ہے۔

بچوں کی ماں باپ کے حق میں سفارش

اب اس کے دلائل سنیئے حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کے تین بچے مر گئے ہوں وہ اس کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ بن جائیں

---

(۱) یقین کر کے (۲) وہ دس صحابہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے (۳) متاخرین کے اجماع کے ملنے کی وجہ سے۔

گے'' کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کسی کے دو بچے مرے ہوں؟ فرمایا'' وہ بھی'' کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جس کا ایک ہی بچہ مرا ہو؟ فرمایا'' وہ بھی'' پھر کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جس کا ایک بھی بچہ نہ مرا ہو؟ قال ((انا فرط لامتی ولن یصابوا بمثلی)) فرمایا'' تو میں اپنی امت کے لئے آگے جا کر سامان کرنے والا ہوں اور میری موت جیسا حادثہ میری امت پر کوئی نہ آئیگا''(۱)۔

یعنی میں آگے جا کر اپنی امت کے لئے مغفرت کی سعی وسفارش کروں گا۔

اشکال کا جواب

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جیسے بے اولادوں کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت کافی ہے ایسے ہی اولاد والوں کے لئے بھی کافی تھی اولاد کی شفاعت کی بھی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو زیادت تسلی کے لئے اس کی ضرورت تھی۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ تو ادب وخوف کے ساتھ شفاعت فرمائیں گے اور بچہ ضد کے ساتھ شفاعت کریگا یہ بچے جس طرح یہاں والدین پر ضد کرتے ہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ پر بھی ضد اور ناز ونخرے کریں گے چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ بچہ جنت کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو جائیگا اُس سے کہا جائیگا اندر جاؤ کہے گا نہیں جاتے پوچھیں گے کیوں؟ کہے گا جب تک ہمارے باپ ماں ہمارے ساتھ نہ ہوں گے اس وقت تک ہم جنت میں نہیں جاسکتے تو اس سے حق تعالیٰ فرمائیں گے:

((ایّھا الطفل المراغم ربّه ادخل ابویك الجنة))

---

(۱) ''اس لئے ان کے واسطے میری وفات کا صدمہ ہی مغفرت کو بس ہے نفدیك بآبائنا وامھاتنا یا رسول الله ۔

فلوان رب الناس ابقی محمدا سعدنا ولکن امره کان ماضیا'' (۱۲ظ)

’’اے اپنے پروردگار سے ضد کرنے والے بچے جا اپنے باپ ماں کو بھی جنت میں لے جا‘‘۔

دوسرے عقلاً عدد بڑھنے سے زیادہ قوت ہوتی ہے گو حضور ﷺ کو انضمامِ ضمیمہ کی ضرورت نہیں آپ تنہا ہی اکفی ہیں مگر طبعاً عدد بڑھنے سے تسلی زیادہ ہوتی ہے۔

بچے کی موت کا نعم البدل

نیز حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی مسلمان کا بچہ مرتا ہے اور ملائکہ اس کی روح کو لیکر آسمانوں پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرماتے ہیں: ((اخذتم ولد عبدی؟ قالوا اللّٰھم نعم‘ ثم یقول: ھل قبضتم ثمرۃ فؤاد عبدی؟ قالوا اللّٰھم نعم‘ فیقول: فماذا قال عبدی؟ قالوا اللّٰھم حمدك و صبر‘ فیقول: ابنو العبدی بیتا فی الجنۃ وسمّوہ بیت الحمد)) (اوکمال قال) ’’کیا تم نے میرے بندے کے بچہ کو لے لیا؟ وہ کہتے ہیں اے اللہ ہاں‘ پھر فرماتے ہیں کیا تم نے میرے بندے کے جگر گوشہ کو لے لیا؟ وہ کہتے ہیں اے اللہ ہاں‘ پھر فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کیا کہا فرشتے عرض کرتے ہیں اے اللہ اس نے آپ کی حمد کی (مراد شکر ہے) اور صبر کیا اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (کہ گواہ رہو میں نے اپنے بندہ کو بخشدیا اور) اس کے لئے جنت میں ایک محل تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو‘‘ یہ تو چھوٹوں کے مرنے پر وعدہ ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے مرنے پر نعم البدل عطا فرماتے ہیں یعنی مغفرت اور جنت کا محل۔

بڑوں کی موت پر نعم البدل

اور بڑوں کے مرنے پر بھی اسی طرح اجر و ثواب کا وعدہ ہے حدیث میں ہے ((من اخذت صفیہ (ای حبیبہ) فصبر لم یکن لہ ثواب الالجنۃ))

(اوکما قال) ”حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جس شخص کے محبوب (اور پیارے) کو لے لوں(۱) پھر وہ صبر کرلے تو اس کا اجر جنت کے سوا کچھ نہیں (۲) یہاں بھی نعم البدل کا وعدہ ہے اور جنت سے بہتر نعم البدل کیا ہوگا اسی مضمون کو ایک بدوی نے بہت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت صدمہ ہوا تو بدوی نے آکر اشعار میں ان کو تسلی دی اشعار تو اہل عرب کی گھٹی میں ہیں بچہ بچہ یہاں تک کہ عورتیں بھی عرب میں شاعر ہوتیں ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اس بدوی سے بہتر کسی نے تسلی نہیں دی چنانچہ کہتا ہے ؎

اصبر نكن بك صابرين فانما صبرا لرعيته بعد صبر الرأس

”اے ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ صبر کیجئے تاکہ ہم بھی آپ کی وجہ سے صابر بنیں کیونکہ رعیت کا صبر سردار کے صبر کے تابع ہے“(۳)

آگے کہتا ہے ؎

خير من العباس اجرك بعده والله خير منك وللعباس

”آپ کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے زندہ رہنے سے وہ اجر بہتر ہے جو ان کے وصال پر آپ کو ملا“ کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اگر زندہ رہتے تو بہت سے بہت حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کو ملتے اور آپ کے حق میں ثواب ان سے بہتر ہے کیونکہ ثواب

(۱) جو عام ہے ہر محبوب کو خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو یا ہمسر ہو جیسے بھائی اور بیوی وغیرہ ۱۲ ظ (۲) یعنی وہ جنت میں ضرور پہنچے گا ۱۲ ظ (۳) مطلب یہ ہے کہ آپ مقتدائے دین ہیں آپ کے افعال کا سب اتباع کرتے ہیں پس ایسے حوادث میں آپ صابر رہیں گے تو ہم بھی مصائب میں صابر رہا کریں گے اگر آپ نے صبر نہ کیا تو عوام بھی صبر نہ کریں گے۔ سبحان اللہ! کیسے اچھے عنوان سے صبر کی ترغیب دی ۱۲ ظ۔

کی حقیقت ہے رضائے خدا تو یوں کہئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وصال پر صبر کرنے سے خدا آپ کو ملا اور یقیناً خدا تعالیٰ سب سے بہتر ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے خدا آپ سے بہتر ہے کیونکہ وہ مر کر خدا کے پاس پہنچ گئے اگر نہ مرتے تو دنیا میں رہتے جس میں رویت الٰہی نہیں ہوسکتی۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اگر آج نہ مرتے تو کسی نہ کسی دن ضرور مرتے کیونکہ حرارتِ غریزیہ کی رفتار ایک خاص حد پر منتہی ہوجاتی ہے کبھی نہ کبھی ضرور ختم ہوگی خواہ مرض سے ہو یا بدوں مرض کے۔

چنانچہ کانپور میں ایک بوڑھے میاں اس طرح ختم ہوگئے کہ گھر میں آکر ماما(۱) سے کھانے کو کہا ماما کھانا لے کر آئی تو یہاں بڑے میاں ختم ہوچکے تھے حالانکہ وہ مریض نہ تھے بس وہی بات تھی کہ حرارت غریزیہ اپنی حد پر پہنچ کر ختم ہوگئی تھی اسی طرح مرنے والے کے متعلق یہ سوچے کہ اگر وہ اس وقت نہ مرتا بلکہ زیادہ دن تک بیمار رہ کر صاحبِ فراش بن کر مرتا تو شاید مبغوض (۲) ہوکر مرتا کہ اعزہ بھی گھبرا جاتے اور اس میں اس کا بھی ضرر تھا کیونکہ تم اس کو اس حالت میں یاد نہ کرتے ثواب بھی نہ پہنچاتے کیونکہ ثواب اسی کو پہنچاتے ہیں جس کے مرنے کا صدمہ ہوتا ہے اور جس کے مرنے پر خوشی ہو کہ اچھا ہوا پاپ کٹا اُس کو بہت کم یاد کیا جاتا ہے اسی طرح تمہارا بھی نفع اسی میں ہے کہ اپنا عزیز محبوب حالت میں مرے کیونکہ تم اس کو یاد کرتے ہو تو وہ بھی تمہارے واسطے دعا کرتا ہے پس تم کو اس سے نفع پہنچتا ہے اور اسکو تم سے نفع پہنچتا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ فلاں شخص تو عالم اور بزرگ ہیں ان کو ہماری دعا اور ایصال ثواب کی کیا ضرورت ہے؟ تو مرنے کے متعلق یہ نفع عام نہ رہا' صاحبو! وہاں چھوٹے بڑے کا حساب نہیں بلکہ وہاں بعض مواقع پر چھوٹے بڑوں کو اور شاگرد استاد کو اور مرید پیر کو بخشوائیں گے اور ہر شخص کو اپنی مغفرت کے لئے چھوٹی چھوٹی باتوں کی تلاش ہوگی چنانچہ ایک شخص گرفتار ہوکر جہنم کی طرف جاتا

(۱) خادمہ یا باورچن (۲) ناپسندیدہ۔

ہوا ایک ولی کو راستہ میں دیکھ کر پہچانے گا اور کہے گا کہ میں نے فلاں دن آپ کو وضو کرایا تھا آج میری مدد کیجئے یہ سنتے ہی وہ بزرگ اس کی شفاعت کریں گے اور بخشوالیں گے۔

حاجی صاحبؒ کے جلدی بیعت کرنے کی وجہ

حضرت حاجی صاحبؒ پر یہ حقیقت خوب منکشف تھی اسی لئے حاجی صاحبؒ بیعت میں بہت جلدی فرماتے تھے حضرت کے یہاں قیود وشرائط نہ تھے اور فرماتے تھے کہ ہم تو اس نیت سے بیعت کرتے ہیں کہ یہ دونوں جانب سے دستگیری ہے پس قیامت میں ہم میں اور اُس میں جو مرحوم ہوگا وہ مغضوب (۱) کو ساتھ لے لے گا اور عکس کا احتمال سبقت رحمتی کے خلاف ہے انشاء اللہ دونوں میں سے ایک تو مرحوم ہوگا' سبحان اللہ! حضرت کو اپنے مریدوں کے متعلق بھی یہ امید تھی کہ شاید وہی ہم کو بخشوالیں۔

عالم برزخ میں ملاقات

غرض یہ تجارت کیسی عمدہ ہے کہ ہر حالت میں اجر اور نعم البدل ہی ملا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ نعم البدل کے ساتھ آپ کی اصلی چیز بھی آپ کو واپس دیدینگے کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنے اعزہ مرتے ہیں اور اولاد ہو یا بھائی اور باپ او ربیوی وغیرہ سب کی مفارقت (۲) چند روزہ ہے برزخ ہی میں مل جائیں گے اور آخرت میں ملنا تو سب ہی جانتے ہیں۔ یہ واقعات تو اُس عالم میں پہنچ کر ہونگے۔

بعد از موت روح کا سفر

اور عین موت کے وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ ملائکہ مسلمان کی روح کو

(۱) جس پر اللہ کی رحمت متوجہ ہوگئی خواہ پیر ہو یا مرید وہ دوسرے کو اپنے ساتھ لے جائے گا (۲) جدائی۔

قبض کر کے حریر کے ٹکڑے میں عزت کی ساتھ لپیٹ کر لے جاتے ہیں پھر راستہ میں فرشتے باہم چھینا جھپٹی کرتے ہیں وہ کہتا ہے مجھے دو وہ کہتا ہے کہ اب میں لوں گا پھر آسمانوں کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے اور تمام فضائے زمین و آسمان اس کی خوشبو سے معطر ہو جاتی ہے پھر آسمان والے اچھے اچھے القاب و اسماء سے اس کو یاد کرتے اور اس کی تعریف کرتے ہیں پھر ارواح انسانیہ اس کا استقبال کرتیں ہیں اور بہت عزت کے ساتھ اس کو عالم ارواح میں لے جاتیں ہیں اور اس سے باتیں کرتیں ہیں جیسے مہمان سے میزبان باتیں کیا کرتا ہے اور ضروری باتیں کر کے زائد سوالات بھی کرتیں ہیں کہ فلاں شخص کیسا ہے فلاں کیسا ہے جن میں سے بعض کی نسبت یہ نو وارد یہ کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے کیا وہ یہاں نہیں آیا اس پر سب ارواح افسوس کر کے کہتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے جہنم میں گیا یہاں نہیں آیا۔

مرنے والے کی مغفرت کی امید رکھو

صاحبو! ان واقعات کو یاد کرو اور سمجھ لو کہ ہمارا عزیز عزت و آسائش میں پہنچا ہے اور جو یہ سمجھے کہ میرا عزیز عزت و آسائش میں ہے اس کو رنج کیوں ہو رہا یہ کہ احتمال تو عذاب کا بھی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال بھی مفید ہے تم اس احتمال سے اس کو ثواب پہنچاؤ اور اس کے بعد امید رکھو کہ انشاء اللہ بخشدیا گیا رہا یہ کہ احتمال تو پھر بھی رہا کیونکہ ایصالِ ثواب کے بعد وحی تو نہ آئے گی تو یقین مغفرت اب بھی نہ ہوا' اس کا جواب یہ ہے کہ ''دنیا بامید قائم'' تو آخرت بھی بامید قائم (۱)۔ تم اسباب مغفرت کو جمع کر کے مغفرت کی امید رکھو کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں ظنیات (۲) سے بھی تسلی ہو جاتی ہے اور قطعیات سے تسلی تو انبیاء علیہم السلام

(۱) دنیا امید ہی پر قائم ہے تو آخرت بھی امید پر قائم رکھو (۲) اچھے گمان سے بھی تسلی ہو جاتی ہے۔

کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتی۔ صاحبو! تجربہ یہ ہے کہ ان ظنیات ہی سے آپ کو تسلی ہو جائے گی آپ ان باتوں کو دل میں مستحضر کر کے دیکھئے ان شاء اللہ آپ کو اس سے بہت کچھ تسلی ہو گی اور غم ہلکا ہو جائیگا۔

غم ہلکا کرنے کی ترکیب

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرا بچہ مر گیا ہے جس کا مجھے بہت صدمہ ہے کوئی ایسی بات سناؤ جس سے میرا غم ہلکا ہو جائے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: ((ان الاطفال من دعا میص الجنة)) کہ یہ بچے جو مر جاتے ہیں یہ جنت کے دعامیص ہوتے ہیں۔ دعموص ایک کیڑا ہے جو پانی کے اندر ادھر سے اُدھر بھاگا پھرتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ بچے جنت میں ادھر اُدھر بھاگے پھریں گے ہر ایک درجہ میں گھستے پھریں گے کہ انکو کوئی روک ٹوک نہ ہو گی جس گھر میں چاہیں چلے جائیں گے جیسے یہاں دنیا میں بھی بچے کسی گھر سے نہیں رکتے جس کے گھر میں چاہتے ہیں گھس جاتے ہیں اور ہر جگہ انکی چاہ ہوتی ہے کیونکہ چھوٹا بچہ تو جانور کا بھی بھلا معلوم ہوتا ہے انسان کا بچہ تو کیوں نہ بھلا معلوم ہوگا؟ ہر شخص کو چھوٹے بچے پر پیار بھی آتا ہے اور اس کی تکلیف پر رحم بھی آتا ہے حتی کہ بھنگی کے بچہ پر بھی رحم آتا ہے۔

قاضی سراج الحق صاحب کی تواضع اور رحم

رامپور کا قصہ ہے کہ قاضی سراج الحق صاحب مرحوم کے گھر میں بھنگن کمانے گئی اور اپنے بچہ کو باہر دروازے پر بٹھلا گئی وہ رونے لگا قاضی صاحب باہر بیٹھک میں بیٹھے تھے وہ بچے کے رونے کی آواز سن کر بے قرار ہو گئے اور فوراً اس کو گود میں اٹھالیا اور اس کو بہلاتے رہے۔ لوگ بھنگیوں کے بچوں کو گود میں لینے سے

اپنے کپڑوں اور بدن کو ناپاک سمجھنے لگتے ہیں یہ خیال غلط ہے خشک بچہ کو گود میں لینے سے نہ ہمارا بدن (۱) ناپاک ہوتا ہے نہ لباس ہاں اگر بھیگا ہوا ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ اس کے کپڑوں اور بدن پر نجاست لگی ہوئی ہے تو بے شک اس سے جسم اور لباس کے ناپاک ہوجانے کا احتمال ہے مگر یہ کوئی بڑی بات نہیں ایک لوٹا پانی سے سب پاک ہوسکتے ہیں مگر عام طور پر بھنگیوں کے بچوں سے لوگ گھن کرتے ہیں اس لئے قاضی صاحب نے واقعی یہ بڑا کام کیا ان کو بہت اجر ملا ہوگا ہم جیسوں سے تو ایسا نہ ہوسکتا مگر جس سے یہ کام ہوسکے اس کو بڑا ثواب ملے گا کیونکہ اس میں تواضع بھی ہے اور انسان کے بچے سے ہمدردی بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تواضع اور رحم یہ دو صفتیں بہت محبوب ہیں یہ تو آخرت کا نفع ہے اور دنیا کا نفع یہ ہے کہ وہ بھنگن تو قاضی صاحب کی جان نثار ہوگئی ہوگی (۲) جب تم اپنی چھوٹی قوموں کی اولاد سے ایسی ہمدردی کروگے تو وہ ہر وقت تمہاری خدمت کے لئے جان و دل سے حاضر رہیں گے تو جس طرح یہاں پر بچے ہر شخص کو محبوب ہیں اور ہر اک کو ان پر رحم آتا ہے اور کسی گھر سے ان کو نہیں روکا جاتا اسی طرح جنت میں یہ بچے جہاں چاہیں بھاگے بھاگے پھریں گے سو ان حالات کو سوچ کر تسلی حاصل کرو جیسا کہ راوی کہتے ہیں کہ یہ حدیث سن کر حالانکہ خبر واحد تھی (۳) جو ظنی ہوتی ہے مجھے بہت تسلی حاصل ہوئی کہ سارا غم جارہا۔

---

(۱) اس تعلیم اسلامی میں غور کرنا چاہئے کہ اسلام نے کسی قوم کی چھوت چھات سے مسلمانوں کو ناپاک نہیں بنایا بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ ان کی یہاں چھوٹی قوموں کو ہاتھ لگ جانا سخت وبال کا سبب ہے کہ انکا دھرم خراب ہوجاتا ہے گویا وہ انسان کو کتے اور سور سے بھی بدتر سمجھتے ہیں ۱۲ ظ (۲) ذرا مخالفین اسلام اس واقعہ میں غور کریں اور بتلائیں کہ کیا کوئی برہمن اور پنڈت اور اعلیٰ ہندو ذات کا آدمی بھی ایک بھنگن کے بچہ کو گود میں اٹھا سکتا ہے اور اس کے ساتھ اپنی اولاد جیسا برتاؤ کرسکتا ہے ہرگز نہیں پھر حیرت ہی نہیں کہ اب بھی یہ لوگ مسلمانوں کو بے رحم اور اپنے کو رحم دل کہتے ہیں بخدا! مسلمانوں سے زیادہ رحمدل کوئی قوم نہیں ہوسکتی ۱۲ ظ
(۳) اگرچہ ایک آدمی نے یہ حدیث نقل کی جس سے صرف گمان کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

تسلّی کے حصول کا طریقہ

اب تو ہماری حالت یہ ہے کہ ہم لوگ صرف ایک پہلو کو دیکھتے ہیں کہ ہائے بچہ مرگیا دوسرے پہلو کو نہیں دیکھتے کہ وہ مرکر کہاں اور کس حالت میں گیا' ان باتوں کو سوچو تو ضرور غم ہلکا ہوجائیگا۔ اور سنیئے حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو غیب سے اس طرح تسلی دی گئی: ((ان فی اللّٰہ عزاء من کل مصیبته وخلفًا من کل فائت فباللّٰہ فثقوا وریاہ فارجوا فانما المحروم من حرم الثواب)) کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات ہر مصیبت سے تسلی کے لئے کافی ہے اور وہ ہر فوت ہونے والی چیز کا عوض ہیں اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو کیونکہ محروم تو وہ ہے جو ثواب (یعنی رضائے حق) سے محروم رہے"

صاحبو! یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ تمہارے عزیز کے بدلے تم کو خدا ملتا ہے پس اب تو ایسے موقع پر یوں کہنا چاہئیے۔

روز ہا گر رفت گو روباک نیست	تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

کیا اس سے بھی آپ کی تسلی نہ ہوگی کہ آپ کو اپنے عزیز کے بدلے میں خدا مل جائے جس کی جنت بھی ہے اور دوزخ بھی ہے یقیناً جنت کے ملنے سے خدا کا ملنا بدرجہا بہتر ہے۔

ہارون رشید کی باندی کی فراست

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ہارون رشید نے جو مسلمانوں کا بڑا بادشاہ اور خلیفہ تھا عید کے دن جشن کیا اور یہ اعلان کردیا کہ دربار میں جتنی چیزیں موجود ہیں اس میں سے جس چیز پر جو شخص ہاتھ رکھدیگا وہ اسی کی ہوجائے گی

درباریوں نے اس اعلان کے بعد ہاتھ رکھنا شروع کیا کسی نے جواہرات پر ہاتھ رکھا کسی نے سونے چاندی پر' ایک باندی نے جو ہارون رشید کو پنکھا جَھل رہی تھی خلیفہ کی کمر پر ہاتھ رکھدیا۔ خلیفہ نے اس حرکت پر برہم ہو کر سوال کیا کہ یہ کیا حرکت تھی؟ کہا حضور کا اعلان عام تھا کہ جو جس پر ہاتھ رکھدے وہ اسی کی ہے اس میں کوئی استثناء نہ تھا تو میں نے دیکھا کہ یہی درباری بیوقوف ہیں جو سونے چاندی اور جواہرات پر ہاتھ دھر رہے ہیں میں نے سوچا کہ ایسی چیز پر ہاتھ رکھنا چاہیئے جس کے ہاتھ میں یہ سب چیزیں ہیں اس لئے میں نے حضور پر ہاتھ رکھدیا کہ جب آپ میرے ہونگے تو سب چیزیں میری ملک ہوجائیں گی اس جواب کو سنکر ہارون بہت خوش ہوئے (۱) واقعی یہ باندی بہت سمجھدار تھی۔

مصائب سے خدا ملتا ہے

تو بتلایئے ان واقعاتِ مصیبت میں کیا یہ بات تھوڑی ہے کہ ان کے ذریعہ سے خدا ہم کو ملتا ہے جس کی جنت بھی ہے اور دوزخ بھی شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آیا ہو کہ دوزخ ہماری ہوگئی تو کیا نفع ہوا کیا ہم دوزخ میں رہیں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ افسوس آپ نے بات کو سمجھا ہی نہیں۔ دنیا میں جیل خانہ بادشاہ کی ملک ہوتا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ بادشاہ جیل خانہ میں رہتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم جس کو چاہو گے بخشوالو گے اور جہنم سے نکلوالو گے اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ کیا کفار کو بھی بخشوالیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کے تعلق سے جہنم بواسطہ آپ کی ملک ہوئی ہے جب وہ کفار کو بخشانہ چاہیں گے تو تم بھی نہ چاہو گے یہ تو آخرت کا نعم البدل تھا۔

(۱) اور فرمایا کہ میرا تیرا ہوگیا ۱۲ ظ۔

مصیبت کی حقیقت

اب یہ سمجھئے کہ دنیا میں بھی ہر فوت ہونے والی چیز کا نعم البدل ہم کو عطا ہوتا ہے خواہ مال واولاد فوت ہو یا کوئی عزیز وقریب' چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مصیبت کے وقت کے لئے ہم کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی ((انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم عندك احتسب مصیبتی فأجرنی فیھا وابدلنی بھا خیرا منھا))(۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے یہ دعا پڑھی مگر وابدلنی بھا خیرا منھا کہتے ہوئے دل رکتا تھا کیونکہ میں اپنے دل میں یہ کہتی تھی کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہوگا اور حضور ﷺ کے ملنے کا وہم بھی نہ ہوتا تھا کیونکہ ؎

ع آرزومی خواہ لیک اندازہ خواہ (۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دل پر جبر کر کے یہ بھی کہا تو خدا تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے عوض حضور ﷺ عطا فرمائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کی حقیقت تجارت ہے کہ ایک چیز مل گئی اور دوسری چیز دی گئی۔

اعمال کا مالِ تجارت ہونا

نصوص میں تجارت پر صاف اشارات موجود ہیں اسی لئے اعمال کا وزن ہوگا جیسا تجارت میں وزن ہوا کرتا ہے اور جب وہاں اعمال بھی جو کہ اعراض ہیں اعیان بن جائینگے جیسا کہ وزن کا مقتضی ہے تو اعیان تو اعیان ہیں ہی۔ اور

(۱) ''اے اللہ میں آپ سے اس مصیبت کا ثواب مانگتی ہوں پس مجھے اس کا اجر عطا فرمایئے اور اس کا نعم البدل دیجئے'' ۱۲ ظ (۲) انسان خواہش ضرور کرے لیکن اپنی حیثیت کے مطابق۔

مصائب کے بارے میں لفظ اخذ و اعطاء وابدال (۱) وارد ہے یہ بھی معنی تجارت پر دال ہے اور تصدق اموال میں لفظ اقـــــراض اور بذلِ نفس و بذلِ مال میں لفظ اشتــری (۲) وارد ہے۔ غرض جو چیز بھی ہمارے ہاتھ سے جاتی ہے اس کا عوض اور نعم البدل ہم کو ملتا ہے۔ اعمال کے متعلق مجھے ایک اور نص یاد آئی جس میں لفظ ایتاء بمعنی اعطاء ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ (۳) ’’اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حالت میں کہ ان کے دل لرزاں و ترساں ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف واپس جانے والے ہیں یہ لوگ بھلائی میں ترقی کرتے اور اس کی طرف سبقت کرنے والے ہیں‘‘۔

آیت سے استدلال پر علمی مباحثہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ وہ لوگ ہیں جو گناہ کر کے ڈرتے ہیں فرمایا نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو تصدق اور صلوۃ و صیام بجالا کر ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو اور خدا کے سامنے جا کر ہم کو شرمندگی ہو (۴) حضرت عائشہؓ کے سوال سے یہ معلوم ہوا کہ (۵) اس آیت میں ﴿یـــؤتـــون﴾ اعطاء مال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عمل کو شامل ہے جبھی تو

(۱) لینے عطا کرنے اور بدلہ دینے کے الفاظ آرہے ہیں جو تجارت کے معنی پر دلالت کرتے ہیں (۲) صدقہ کے باب میں اللہ نے قرض جان اور مال خرچ کرنے کا ذکر کیا ہے یہ بھی تجارت کے معنی پر دلالت کرتا ہے (۳) سورۂ مؤمنون: ۶۰، ۶۱ (۴) کہ وہاں یہ کہا جائے کہ تم نے کیسا عمل ہمارے یہاں بھیجا ۱۲ ظ (۵) یہ بحث عوام کے سمجھنے کی نہیں بلکہ علماء کے لئے مفید ہے اس موقع پر علماء کا بھی مجمع تھا اس لئے اس بحث کو حضرت نے ذکر کیا اگر وعظ کا یہ حصہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو یہ سمجھ لے کہ یہ میرے لئے نہیں جن کے لئے بیان کیا گیا ہے وہ اس سے استفادہ کرلیں گے ان کے لئے یہ مفید بحث ہے۔

انہوں نے اس کو اعمال گناہ پر محمول کیا اور بعض لوگوں نے اس میں یوں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سوال ﴿یأتون﴾ کی قراءت کے متعلق کیا ہے جو بمعنیٰ ''یفعلون'' ہے اس صورت میں ایتاء سے استدلال ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ ترمذی کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ ﴿یوتون﴾ کے متعلق سوال کیا اور قراءت شاذہ بوجہ شذوذ کے ثابت نہیں اور یہ حدیث صحیح ہے پس صحیح کو غیر صحیح پر محمول نہیں کر سکتے اور اگر اس کو مان بھی لیا جاوے تب بھی حضور اقدس ﷺ کی تفسیر عام ہونا ضروری ہے ورنہ شاذ کا مفسر اور متواتر کا غیر مفسر رہنا لازم آویگا تو اس تفسیر کا تعلق ایتاء سے بھی ہوگا پس یہ استدلال باقی رہا جب یہ ہے تو آیت میں ایتاء بمعنی ایتاء مال نہیں ہے بلکہ بمعنی ایتاء الوجود (۱) ہے جس کا حاصل ایجاد ہے معنی یہ ہوئے کہ وہ جس عمل صالح کو وجود دیتے ہیں اس کو کر کے ڈرتے رہتے ہیں کہ دیکھئے قبول ہوا یا نہیں، بے فکر نہیں ہوجاتے۔ تو یہاں لفظ ایتاء بمعنی اعطاء ہے جو تجارت کے مناسب ہے یہ ہیں وہ نصوص جن سے اعمال و احوال کا تجارت ہونا معلوم ہوتا ہے ان ہی میں سے ایک وہ آیت بھی ہے جس کو میں نے تلاوت کیا ہے: ﴿یَـاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْكُمْ مِنَ الْاَسْرٰٓی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ﴾ کہ ''ان قیدیوں سے فرما دیجئے کہ اگر تمہارے دلوں میں خیر ہوگی (یعنی ایمان) تو اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر چیز دیں گے جو تم سے لے لی گئی ہے''۔ یہاں بھی نقصان مال پر نعم البدل کا وعدہ ہے جس کو ایمان کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے حاصل یہ ہوا کہ مؤمن کو ہر نقصان کا عوض اور نعم البدل ملتا ہے اور ان نصوص مذکورہ پر نظر کر کے ہم کو اب اس نص اخیر کی تعمیم کی

(۱) فالایتاء علی هذا عام لکل عمل کعمومه فی قوله تعالیٰ: ﴿ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا﴾ ای لاخذوا بها والباشروها ولا یتوقف العموم علی قراءة یاتون ما اتو من الاتیان واسهل التوجیهات فیها ان یکون یاتون تفسیرا لیؤتون فظنیة قراءة ۱۲ منه۔

ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسری نصوص سے تعمیم ثابت ہے گو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ﴿مِمَّا اُخِذَ مِنْکُمْ﴾ میں ﴿مَا﴾ عام ہے مال کو اور غیر مال کو جس میں سب اعمال اور اعیان داخل ہیں خصوصاً جبکہ قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ اعتبار عموم نص ہے خصوص مودرد کا اعتبار نہیں مگر مجھے خود اس قاعدہ ہی کے عموم میں کلام ہے اس لئے میں اس آیت پر تعمیم کا مدار نہیں کرتا بلکہ مجموعۂ نصوص کے اعتبار سے اس مضمون کو عام کرتا ہوں۔ مگر اس کی تلاوت اس لحاظ سے ہوئی ہے کہ ایک مناسب سے دوسرے مناسب کی طرف اشارہ کرنا ابلغ (۱) ہے اور تمام نصوص کا پڑھنا دشوار تھا بلکہ کسی ایک کا اختیار ضروری تھا جس کے لئے وجہ مرجح (۲) میں نے بالکل تمہید کے شروع میں بیان کر دی۔

خلاصہ یہ کہ معاملات تشریعیہ کا تجارت ہونا تو ظاہر ہے کہ ایک عمل ہم نے پیش کیا اور ادہر سے اس کی قیمت مل گئی مگر اس کے علاوہ ہمارے ساتھ جس قدر معاملات تکوین میں بھی ہوتے ہیں ان سب کی حقیقت بھی تجارت ہی ہے جیسا مذکور ہوا اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر غم بہت ہلکا ہو جائیگا۔

طبعی غم کا فائدہ

باقی طبعی غم کا میں انکار نہیں کرتا وہ تو ہوگا اور ہونا چاہیئے کیونکہ اسی کی وجہ سے اجر ملتا ہے اور اس سے شانِ عبدیت ظاہر ہوتی ہے اگر انسان پر رنج و غم وارد نہ ہو تو فرعون بے سامان ہو جائے مگر ضرورت اس کی ہے کہ اس غم کو ہلکا کیا جائے کیونکہ غم کا بڑھنا خود مصیبت ہے جس سے راحت قوت ہونے کے علاوہ بعض اوقات جو اصل دولت ہے اجر وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے اور غم ہلکا ہونے کی وہی تدبیر ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جب انسان یہ سمجھے گا کہ ہر معاملہ میں حق تعالیٰ

(۱) زیادہ بلیغ ہے (۲) وجہ ترجیح۔

مجھ کو نعم البدل عطا فرماتے ہیں تو غم ہلکا ہو جائیگا پھر وہ نعم البدل (۱) بھی اس قدر ہے کہ اس کا انداز لگانا دشوار ہے اور مصائب پر صبر کرنا تو نہایت دشوار عمل ہے اور اس پر وہ غیر متناہی (۲) ملنا تو کیا عجب ہے جس پر آیت: ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (۳) میں متنبہ بھی فرمایا ہے وہاں تو خفیف خفیف (۴) عمل پر بھی بے اندازہ اجر مل جاتا ہے۔

اللہ اکبر کہنے کا ثواب

چنانچہ حدیث ترمذی میں ہے کی ایک بار اللّٰہ اکبر کہنے سے آسمان و زمین کی درمیانی فضا بھر جاتی ہے اور سبحان اللّٰہ کہنے سے آدھی میزان عمل اور الحمدللّٰہ سے پوری میزان عمل بھر جاتی ہے یہ اس لئے فرمایا کہ شاید کسی کو اللّٰہ اکبر کا ثواب سن کر یہ احتمال ہو کہ نہ معلوم میزان عمل بھی کسی چیز سے بھری ہوگی کیونکہ ممکن ہے وہ آسمان و زمین کی فضا سے بھی زیادہ ہو تو ایک عمل سے اگر فضا بھی بھر جاتی ہو تو ممکن ہے کہ وہ میزان بھرنے کے لئے کافی نہ ہو اور ہم کو سابقہ پڑیگا۔ میزان ہی سے خصوصًا طالب علموں کو ایسے احتمالات بہت ہوتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو کٹورا بھی حوض کے برابر ہوسکتا ہے۔

طالبِ علم کی ذہانت

جیسا ایک حکایت ہے کہ ایک بادشاہ وزیر میں گفتگو ہو رہی تھی بادشاہ کہتا تھا کہ طلباء عربی بہت عاقل ہوتے ہیں وزیر کہتا تھا کہ ان سے بڑھ کر بیوقوف کوئی نہیں، اتفاق سے ایک طالب علم جوتیاں چٹخاتے خستہ حال سامنے سے گذرے بادشاہ نے ان کو بلایا اور وزیر سے کہا کہ ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے دیکھو یہ طالب علم

(۱) بہترین بدلہ (۲) نہ ختم ہونے والا اجر (۳) ''مستقل رہنے والوں کو انکا صلہ بے شمار ہی ملے گا'' سورۂ زمر: ۱۰ (۴) چھوٹے سے چھوٹے عمل پر۔

اتفاق سے میرے سامنے آگیا میں نے اس کو انتخاب کر کے نہیں بلایا اب میں اس کی عقل کا امتحان کر کے تم کو دکھلاتا ہوں کہ عربی طلباء کیسے عاقل ہوتے ہیں۔ طالب علم کو بادشاہ نے عزت سے بٹھلایا اور سامنے ایک حوض تھا اس کی طرف اشارہ کر کے اول وزیر سے سوال کیا کہ بتلاؤ اس میں کتنے کٹورے پانی کے آسکتے ہیں؟ وزیر نے کہا کہ بدوں شمار کے (۱) اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ حوض کو خالی کیا جائے اور کٹورہ بھر بھر کر پانی اس میں ڈالا جائے تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کتنے کٹورے آسکتے ہیں۔ بادشاہ نے اس کے بعد طالب علم صاحب سے دریافت کیا کہ مولانا آپ بتلائیں کہ اس میں کتنے کٹورے پانی آسکتا ہے؟ طالب علم نے کہا کہ یہ سوال ہی مہمل ہے پہلے کٹورا تو معین ہونا چاہیئے کہ وہ کٹورا کتنا بڑا ہے اگر کٹورا حوض کی برابر ہے تو ایک کٹورا پانی آسکتا ہے اگر اس سے آدھا ہے تو دو کٹورے اگر تہائی ہے تو تین اگر سواں حصہ ہے تو سو کٹورے' غرض جو نسبت مساحت (۲) میں حوض سے کٹورے کو ہوگی اسی نسبت سے اس میں کٹورے آسکیں گے۔ اس لئے اول کٹورا متعین کرنا چاہیئے اس کے بعد سوال کرنا چاہیئے۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اب انصاف کی بات تو یہ ہے کہ تم قلم دانِ وزارت اس طالب علم کے حوالہ کرو اور خود جا کر طالب علمی کرو۔ مگر تمہارے خاندان میں وزارت چلی آرہی ہے اس لئے معاف کرتا ہوں اور تم کو اس عہدہ پر بحال رکھتا ہوں اس کے بعد مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا آپ کو بہت تکلیف دی گئی معاف کیجئے گا اب آپ جاسکتے ہیں وہ سلام کر کے چلتے ہوئے اور اس کے دل میں وزارت کی ذرا بھی ہوس پیدا نہ ہوئی حالانکہ بادشاہ ان کی قابلیت وزارت کو تسلیم کر چکا تھا کیونکہ اس زمانہ میں طلباء کو دنیا کی ہوس نہ تھی طلباء اس زمانہ میں سب صوفی ہوتے تھے اسی

(۱) بغیر گنتی کئے (۲) چھوٹا بڑا ہونے میں۔

لئے پہلے زمانہ میں خانقاہوں کی اور تعلیم تصوف کی ضرورت نہ تھی کیونکہ سب ماں کے پیٹ سے صوفی ہی پیدا ہوتے تھے اوران کا وہی مذاق ہوتا تھا جو حضرت غوث اعظم کا اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک سنجر بادشاہ ملک نیمروز نے آپ کے مصارف کے لئے آپ کو ایک معتد بہ حصہ ملک کا پیش کرنا چاہا آپ نے جواب میں یہ رباعی لکھی ۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد — دردل اگر بود ہوسِ ملک سنجرم
زانکہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیمروز بیک جونمی خرم(۱)

طلبِ علم میں مشغول طلباء کی حکایت

ایک عالم کی حکایت رسالہ ''القاسم'' دور قدیم میں لکھی تھی کہ وہ خدمت دین میں مشغول رہا کرتے تھے کسبِ معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا ایک نانبائی (۲) آپ کا معتقد تھا اور جان نثار تھا۔ اور ایسے شخص سے مانگ کر کھانا بھی جائز ہے اس سے آپ نے کہہ رکھا تھا کہ بھائی جب کبھی ہم کو بھوک ستائے گی ہم بے تکلف تمہارے پاس آجایا کرینگے مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہمارے سامنے وہ ٹکڑے رکھدیا کرنا جو مسافروں کے آگے سے بچ جاتے ہیں اگر سالم روٹی دوگے تو ہم نہ کھائیں گے نانبائی نے اس خیال سے یہ شرط منظور کرلی کہ اس کے خلاف میں مولانا کو تکلیف ہوگی اور ٹکڑوں سے بھی رہ جائیں گے چنانچہ جب بھوک لگتی مولوی صاحب اس کی دوکان پر پہنچ جاتے اور وہ مسافروں کے سامنے کے ٹکڑے بچے ہوئے ان کے

(۱) سنجر کی کالی چھتریوں کی مانند میرا مقدر بھی سیاہ ہوجائے اگر میرے دل میں ملک سنجر کی طلب وخواہش پیدا ہو جب سے مجھے شبِ بیداری کی دولت نصیب ہوئی ہے میں ایک جو کے دانے کے عوض بھی اس ملک سنجر کو خریدنا نہیں چاہتا ہے (۲) روٹی پکانے والا۔

آگے رکھدیتا ان کو پانی میں بھگو کر کھالیتے اور پھر علمی مشغلہ میں مشغول ہوجاتے اتفاق سے ایک دن جو گئے تو نانبائی نے کہا کہ آج تو ٹکڑے نہیں ہیں یا تو مسافروں نے ٹکڑے چھوڑے نہیں یا کوئی بہت کھانے والا آگیا ہوگا جو ٹکڑے بھی کھا گیا تو مولوی صاحب خوش خوش وہاں سے یہ فرماتے ہوئے واپس آگئے: ﴿تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ﴾(۱) کہ آج کی واپسی تو بڑے خسارے کی ہوئی آپ کو فاقہ میں بھی لطیفہ سوجھا کیونکہ قرآن سے اقتباس کرنا تو لطائف میں سے ہے۔

طلباء کی حکایتیں اس قسم کی بہت سی ہیں ایک حکایت تو والد صاحب سے سنی ہے کہ طلباء ایک گھڑا بنالیا کرتے تھے جس کا منہ تنگ کردیا کرتے جو خط گھر سے آتا اس کو بغیر دیکھے پڑھے گھڑے میں ڈالدیتے اسی طرح برابر گھڑے میں خطوط ڈالتے رہتے یہاں تک کہ جب (۲) سات آٹھ سال میں علم سے فارغ ہوتے اس وقت وہ گھڑا توڑا جاتا اور تمام خطوط پڑھتے کسی میں رنج کی خبر ہوتی تو اس کو دیکھ کر رولیتے کسی میں خوشخبری ہوتی اس کو دیکھ کر ہنس لیتے ؎

گہ گریم و گہ خندم دیوانہ چنیں باشد(۳)

---

(۱)سورۂ نازعات:۱۲(۲)انظر هل فيه قطع الرحم ام لا فان المكاتبة من الغائب كالمخاطبة من الحاضر ولكتاب اهل القرابة حق فى الجواب اللهم الا ان يقال ان المتفقه يعذر فى ذلك كما يعذر فى ترك الجماعة اذا خاف فوت التكرار مع جماعة معينته ۱۲ظ او كان مغلوب الحال فى طلب العلم فيعذر ۱۲اشرف (علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اشکال کرتے ہیں کہ کیا ان کے خطوط کے نہ پڑھنے میں قطع رحمی لازم آتی ہے کیونکہ جیسے حاضر کی بات کا جواب نہ دینا قطع رحمی ہے اسی طرح خط کا جواب نہ دینا بھی قطع رحمی ہوگا پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ تفقہ فی الدین کے حصول میں مشغول ہونا ان کے لئے عذر سمجھا جائے گا جیسے تفقہ میں مشغول جماعت معین کے ترک میں عذر شمار کی جاتی ہے حضرت تھانویؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ طلب علم میں مغلوب الحال تھے اس لئے معذور سمجھے جائیں گے اور قطع رحمی کا الزام نہیں آتا ۱۲اخ)(۳)دیوانہ ایسا ہی ہوتا ہے کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے۔

علمی شوق

اور ایک حکایت اور سنی ہے کہ ایک دن ایک طالب علم کے پاس تیل نہ تھا تو وہ بڑے پریشان ہوئے اتفاق سے اسی وقت ایک رئیس کا جلوس نکلا جس میں مشعلیں اور فانوس وغیرہ بہت روشن تھے آپ کتاب ہاتھ میں لے کر اس جلوس کے ساتھ ہو لئے اور مطالعہ کرتے چلے گئے یہاں تک کہ جلوس رئیس کے محل تک پہنچا آپ بھی اس کی ساتھ محل میں چلے گئے خدام نے روکنا چاہا مگر رئیس نے منع کر دیا یہاں تک کہ روشنی کے فانوس وغیرہ خاص آرام کے کمرہ میں پہنچے آپ وہاں بھی چلے گئے اور ایک تخت پر بیٹھ کر کتاب دیکھتے رہے اور ایسے مستغرق تھے کہ نہ کسی عورت کی طرف نظر اٹھائی نہ باندی کی طرف، رئیس ان کے اس استغراق پر محو ہو گیا جب مولوی صاحب مطالعہ سے فارغ ہو گئے اس وقت آپ کو ہوش آیا اور کتاب بند کر کے اِدھر اُدھر دیکھ کر گھبرائے کہ میں کہاں آ گیا اور کس طرح آ گیا۔ رئیس نے ان کی پریشانی دیکھ کر عرض کیا کہ مولانا آپ ذرا پریشان نہ ہوں آپ نے تو مجھے اپنا گرویدہ بنالیا ہے واقعی علمی شوق اسی کا نام ہے جو آپ کے اندر دیکھا اب میری درخواست یہ ہے کہ آپ میرے غریب خانہ ہی پر مقیم رہیں یہیں کھانا کھایا کریں اور یہیں مطالعہ کیا کریں میں آپ کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھوں گا مولوی صاحب بولے کہ میں اس قید کو پسند نہیں کر سکتا میں آزاد رہنا چاہتا ہوں ہاں البتہ مجھے اس کی تکلیف ہے کہ بعض دفعہ میرے پاس تیل نہیں ہوتا جس سے مطالعہ کا حرج ہوتا ہے۔ اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے پس اگر آپ اتنا کر دیں تو عنایت ہوگی کہ کسی بنیئے سے کہہ دیجئے کہ جب میں تیل لینا چاہوں مجھے تیل دیدیا کرے اور آپ کے حساب میں دام لکھ دیا کرے مجھ سے داموں (۱) کا مطالبہ نہ کیا کرے اس سے زائد کی مجھے

(۱) پیسوں کا مطالبہ نہ کرے۔

ضرورت نہیں چنانچہ رئیس نے تیل کا انتظام کردیا۔ ایسے ہی لوگوں کو بابت کوئی بزرگ فرماتے ہیں ۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر   توچہ دانی کہ دریں گرد سوارلے باشد (۱)

اور شیرازیؒ فرماتے ہیں ۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں   کہ ناز بر فلک وحکم برستارہ کنم (۲)

علامہ شبلیؒ کا حال

اسی طرح کا ایک قصہ استغراق کا حضرت شبلیؒ کا ہے کہ ایک دن وہ حضرت جنیدؒ کے گھر میں بلا اطلاع کے گھس گئے حضرت جنید کی بیوی پردہ کے خیال سے اُٹھنے لگیں حضرت جنیدؒ نے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا اور کہا کہ ان سے پردہ کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اس وقت اپنے حواس (۳) میں نہیں ہیں چنانچہ وہ دیر تک بیٹھے ہوئے ہنس ہنس کر مقامات میں گفتگو کرتے رہے اور حضرت جنیدؒ اپنی بیوی کو اٹھنے سے روکتے رہے یہاں تک کہ کسی بات پر حضرت شبلیؒ پھوٹ کر روئے تو حضرت جنیدؒ نے بیوی کو اشارہ کیا کہ اب چلی جاؤ اب ان کو ہوش آگیا ہے۔ تو بعض دفعہ استغراق ایسا قوی ہوتا ہے جس میں صاحب استغراق کو مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہاں کوئی عورت بھی ہے یا نہیں مگر اس کا پہچاننا حضرت جنیدؒ جیسوں کا کام ہے تو ایک زمانہ میں تو طلباء کی حالت یہ تھی۔

---

(۱) غریب لوگوں کو حقارت سے مت دیکھو تمہیں معلوم نہیں ان میں کون کس درجہ کا ہے (۲) میں تو میکدہ کا فقیر ہوں لیکن جب میں مست ہوؤں تو فلک پر ناز اور ستاروں پر حکومت کرتا ہوں (۳) فکان داخلا فی ﴿ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ﴾ فلا یصح قیاسه علی الاعمی وقد امر بالحجاب عنه فی قوله ﷺ افعمیا وان انتما لکون الاعمی من اولی الاربة یمیل الیه النساء وهو یشعر بمکا نهن ایضًا بالحدس والقول وصوت الحلی فیمیل بقلبه الیهن بخلاف المستغرق فانه حِ کالحیوان او کالطفل الذی لا یشتهی ۱۲ ظ۔

آج کل کے طلباء کا حال

اور اب یہ حالت ہے کہ ایک طالب علم نے میرے ایک دوست رئیس کو خط لکھا کہ میں عربی پڑھنا چاہتا ہوں اور گھر سے بوجہ تنگی کے خرچ نہیں آسکتا آپ میرے لئے ۱۵ روپے ماہوار تنخواہ مقرر کردیجئے اس کے ساتھ ہی میری نسبت یہ بھی لکھدیا کہ اُس نے مجھ کو یہ مشورہ دیا ہے' وہ صاحب بہت عاقل ہیں خدا مال دے تو اس کی ساتھ عقل بھی دے انہوں نے وہ خط میرے پاس بھیجدیا کہ اس شخص کے متعلق کیا رائے ہے میں نے لکھا کہ اس کذاب (۱) کو ایک پیسہ نہ دیا جائے وہ کبھی کبھی میرے پاس بھی آتے ہیں میں اس کی خبر لوں گا۔ مگر وہ خط بہت دنوں سے میرے پاس رکھا ہوا ہے اب تک تو وہ صاحب آئے نہیں یا تو ان کو جواب نہ جانے سے شبہ ہوگیا کہ اُس واقعہ کی مجھے اطلاع ہوگئی ان صاحب نے کہہ دیا کہ اُس نے آپ کی امداد سے منع کردیا ہے اس لئے معذوری ہے (۲) اس لئے انہوں نے آنا ہی بند کردیا۔

میں کٹورہ والے طالب علم کا ذکر کررہا تھا غرض جب طلباء کے نزدیک کٹورا بھی حوض کے برابر ہوسکتا ہے تو میزان عمل ان کے نزدیک زمین و آسمان سے بڑا ہوتو کیا بعید ہے کیونکہ میزان عمل تو اللہ تعالیٰ کی میزان ہے اس لئے حضور ﷺ نے اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ ((الحمدللّٰہ یملأ المیزان)) "الحمدللّٰہ سے میزان عمل بھر جاتا ہے" اب وہ شبہ رفع ہوگیا کہ شاید میزان خالی رہے۔ اس پر شاید کسی کو یہ وسوسہ ہو کہ بس اب نماز روزہ کی کیا ضرورت ہے ایک بار الحمدللہ کہہ لینا کافی ہے بڑا قصہ تو میزان عمل کا ہے وہ اس سے بھر ہی جائیگا۔

---

(۱) جھوٹے کو (۲) یا اس شخص نے دوسرے طلباء کے ذریعے سے خانقاہ میں اس خط کے متعلق تذکرہ سن لیا ہوگا ۱۲ ظ۔

طالبِ علم کی ہوشیاری

جیسے ایک طالب علم نے گاؤں میں جا کر نماز کا وعظ کہا اور یہ کہا کہ بے نمازی سور کتے کے مثل ہیں' اس جملہ پر گاؤں والوں کو جوش آ گیا اور سب نے چڑھائی کر کے مولوی صاحب کو مارنا چاہا میزبان نے یہ رنگ دیکھ کر مولوی صاحب سے کہا کہ آج خیر نہیں لوگ آپ پر چڑھائی کرنے آ رہے ہیں کہا کیوں؟ کہا آپ نے وعظ میں بے نمازیوں کو سور کتا بھی بنایا تھا' بولے بس اتنی بات پر چڑھائی کر رہے ہیں' کہا جی ہاں۔ کہنے لگے تو تم بے فکر رہو میں ابھی سب کو ٹھنڈا کئے دیتا ہوں یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ واقعی یہ تاویل کا دروازہ کھلا رہے تو بات کا بدلنا کچھ بھی مشکل نہیں' چنانچہ گاؤں والے آئے اور مولوی صاحب پر حملہ کرنا چاہا انہوں نے پوچھا کہ بھائی آخر میری کچھ خطا بھی ہے؟ کہا اس سے بڑھ کر کیا خطا ہوگی کہ تم نے ہم کو سور کتا بنایا کہا میں نے تم کو نہیں کہا تھا بلکہ بے نمازیوں کو کہا تھا گاؤں والوں نے کہا پھر ہم بھی تو بے نمازی ہیں مولوی صاحب بولے ہرگز نہیں تم بے بمازی کیوں ہوتے بتلاؤ کیا تم نے کبھی نئے کپڑے پہن کر آخری جمعہ کی نماز نہیں پڑھی بولے جی ہاں آخری جمعہ کی تو نماز پڑھ لی ہے' کہا اور عید بقرعید کی نماز؟ بولے وہ بھی پڑھتے ہیں۔ کہا پھر تم بے نمازی کدھر سے ہوئے۔ بے نمازی تو وہ ہے جو ایک دفعہ بھی عمر بھر میں خدا کے سامنے نہ جھکا ہو بس اس جواب سے سب خوش ہو گئے تو جیسے اس طالب علم نے عید بقرعید کی نماز سے گاؤں والوں کو نمازی بنا دیا تھا۔

اشکال کا جواب

ایسے ہی شاید کوئی یہ سمجھے کہ سبحان اللہ الحمدللہ سے میزان عمل تو بھر ہی جائیگا پھر اور عمل کی کیا ضرورت؟

اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ سبحان اللہ الحمدللہ سے میزان کا ایک پلہ ہی تو بھریگا (۱) تو ایک پلہ کے بھر جانے سے کیا نفع جب تک دوسرے پلہ کا حال معلوم نہ ہو (۲) اس لئے دوسرے پلہ کی فکر بھی لازم ہے جس میں گناہ رکھے جائیں گے اور ترکِ صلوۃ و ترکِ صیام و ترکِ زکوۃ و ترکِ حج یہ سب معاصی ہیں (۳) اگر گناہوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو نیکیوں کا پلہ بھر جانے سے کیا ہوگا۔

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو سبحان اللہ والحمدللہ کا ثواب بیان فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کلمات میں یہ خاصیت ہے یہ ایسا ہے جیسے طبیب یہ کہے کہ بنفشہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ دماغ کا تنقیہ کرتا اور مواد فاسد کو دفع کرتا (۴) ہے مگر سب جانتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک اس کے ساتھ کوئی مضر شئے استعمال نہ کی جائے جو اس کی خاصیت کو باطل کردے اب اگر کوئی سنکھیا (۵) کھا کر بنفشہ پی لے تو بتلایئے بنفشہ سے کیا خاک نفع ہوگا اور اگر اس صورت میں بنفشہ کی خاصیت کا ظہور نہ ہو تو کیا حکیم کے دعوے کو غلط کہا جائیگا ہرگز نہیں، ایسے ہی یہاں سمجھو کہ سبحان اللہ الحمدللہ کی واقعی یہ خاصیت ہے کہ میزان عمل کو بھر دیتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ کوئی منافی (۶) نہ پایا جائے۔ تو اب سمجھئے کہ حق تعالیٰ کی کس قدر عنایت ہے کہ ایک سبحان اللہ الحمدللہ پر اسقدر ثواب عطا فرماتے ہیں۔

---

(۱) کیونکہ اعمال صالحہ کا ثواب ایک ہی پلہ میں رکھا جاتا ہے دوسرا پلہ تو گناہوں کے لئے ہے۱۲ظ (۲) کیونکہ اگر وہ بھی بھر گیا تو آپ جنت میں نہ جاسکیں گے بلکہ اعراف میں رہیں گے اور اگر وہ بہت زیادہ بھر گیا کہ اعمال صالحہ کے پلہ سے بھی بھاری ہوگیا تو جہنم میں جانا پڑیگا۱۲ظ (۳) نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج کا ترک کرنا یہ سب گناہ ہیں (۴) دماغ کی صفائی کرتا ہے اور فاسد مادے کو دور کرتا ہے (۵) زہر کھا کر (۶) کوئی عمل اس کے خلاف نہ پایا جائے۔

والدین کی شفقت

دنیا میں تو والدین سبق کے ایک ایک لفظ پر ایک ایک پیسہ بھی نہیں دیتے البتہ بعض لوگ مکتب جانے پر ایک ہفتہ میں بچوں کو ایک آنہ تو دیدیتے ہیں اور ایک صاحب نے بیان کیا کہ ہمارے ابا جان مہینہ بھر تک حقہ بھرنے پر دو پیسے منصوری دیا کرتے تھے جو وزن میں تو ڈبل تھے مگر قوت میں کم تھے اگر کسی بچہ کو باپ نے عید بقرعید کے موقع پر ایک روپیہ دیدیا تو خوشی کی کوئی انتہا ہی نہیں خصوصًا پہلے زمانہ میں جبکہ روپیہ کم تھا۔

حضرت تھانویؒ کی ذہانت

ہمیں یاد ہے کہ والد صاحب نے عید کے دن ہم دونوں بھائیوں کو دو دو آنہ کے پیسے دیئے بھائی اکبر علی نے تو لے لئے میں نے لینے سے انکار کر دیا۔ والد صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیوں واپس کر دیئے میں نے کہا یہ تو تھوڑے ہیں۔ فرمایا ہمارے والد تو ہم کو عید کے دن دو پیسے دیا کرتے تھے اور ہم اُس سے ہی بہت خوش ہو جاتے تھے میں نے کہا ہم میں اور آپ میں فرق ہے فرمایا وہ کیا؟ میں نے کہا فرق یہ ہے کہ آپ غریب کے بیٹے تھے اور ہم امیر کے بیٹے ہیں۔ اس پر بھائی اشارہ سے کہنے لگے کہ یہ کیا کہتے ہو گستاخی کرتے ہو میں نے کہا اس میں گستاخی کیا ہے ہم ان کو اپنے دادا پر ترجیح دے رہے ہیں اس میں تو اپنے والد کی تعظیم ہے والد صاحب ہنسنے لگے اور ایک ایک روپیہ عنایت فرمایا جب ہم خوش ہوئے' مگر آج کل ایک روپیہ کی بھی قدر نہیں اب تو بچے دو تین روپیہ سے کم میں خوش نہیں ہوتے۔ غرض ہم تو اپنی اولاد کو ایک ہفتہ کی پڑھائی کے صلہ میں ایک آنہ دیتے ہیں اور یہ بھی سب نہیں دیتے بلکہ بعض والدین ہی ایسا کرتے ہیں اور اللہ

تعالیٰ ایک سبحان اللہ کے عوض میں اس قدر دیتے ہیں کہ اٹھائے نہ اٹھے۔

دیانند کی بدعقلی

اس پر مجھے ایک بات یاد آئی وہ یہ کہ دیانند نے تناسخ کو ثابت کر کے (۱) نجات ابدیہ پر اعتراض کیا ہے کہ مسلمان جو اعمال صالحہ کے عوض میں نجات ابدیہ کے قائل ہیں یہ عقل کے خلاف ہے کیونکہ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی آدمی پر پانچ من بوجھ لاد دیا جائے جس سے اس کا کوچ نکل جائے (۲) پس متناہی عمل کا غیر متناہی صلہ نہ ہونا چاہیئے' مجھے حیرت ہے کہ اس شخص کو عاقل کس نے کہدیا پس ایسی دلیل سے آپ اس کی عقل کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور گو یہ اس بے عقلی کی بات کا جواب دینا ہمارے ذمہ لازم نہ تھا عقلاء خود اس کو سن کر ہنسیں گے مگر ضعفاء کی حفاظت کے لئے اس کا جواب دیا جاتا ہے وہ یہ کہ انسان پر پانچ من بوجھ لادنا اس وقت موجب تکلیف ہے جبکہ ایک دم سے لاد دیا جائے اور اگر غیر متناہی ثواب غیر متناہی مدت میں دیا جائے تو اس میں کیا اشکال ہے اور مسلمان جو نجات ابدیہ کے قائل ہیں تو وہ اس کی ساتھ اس کے بھی تو قائل ہیں کہ اہل جنت ہمیشہ زندہ رہیں گے ان کو کبھی موت نہ آئے گی۔ (۳)

---

(۱) اور اسکا ثبوت بھی اسی کے گمان میں ہے ورنہ درحقیقت اس کے پاس اس کی کچھ دلیل نہیں ۱۲ ظ (۲) اس کا کچومر نکل جائے (۳) دوسرے لادنے کی بھی ایک ہی کہی بھلا نجات ابدیہ سے کمر پر لادنا کیونکر لازم آگیا کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم ایک شخص کو اس قدر خزانہ دیدیں جو کبھی ختم نہ ہو اور وہ خزانہ ایک مقام پر محفوظ کر کے کنجی اس شخص کے حوالے کردی جائے کہ ضرورت کے وقت جتنا چاہے نکالے اور خرچ کرے اور اگر اس شخص کے نزدیک عمر غیر متناہی عطا ہونا ہی لادنے کے مثل ہے تو اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے کیونکہ عمر طویل سے کسی پر بھی کچھ گرانی نہیں ہوتی بشرطیکہ قویٰ دماغیہ وجسمانیہ معطل نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی کا تو کفار میں دنیا ہی کے اندر ہر شخص طالب ہے: ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَّمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ۱۲ ظ۔

غم کا علاج

غرض آپ کو ہر عمل صالح پر بے انتہا اجر ملتا ہے اور ہر مصیبت میں نعم البدل عطا ہوتا ہے یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اہلِ نعم اہلِ مصائب کے اجر کا مشاہدہ کریں گے تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم کو دنیا میں ہماری کھالیں مقراض سے قطع کی جاتیں (۱) تاکہ آج ہم کو بھی یہ ثواب حاصل ہوتا۔ پس اس ثواب کے استحضار سے آپ کو غم ہلکا کرنا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ سب مصائب درحقیقت تجارت میں داخل ہیں۔ یہ تو علاج عام ہے جو عوام کے لئے مناسب ہے۔

غم کا خاص علاج

اور ایک علاج خاص ہے جس کو خواص استعمال کرتے ہیں اُس کا نام تفویض ہے جس کی حقیقت قطع تجویز ہے یعنی وہ اپنے کو خدا کے سپرد کردیتے ہیں کہ وہ جو چاہیں ان میں تصرف کریں۔ اپنی طرف سے وہ کوئی حالت یا نظام تجویز نہیں کرتے۔ اور تمام تر پریشانی کا سبب تجویز ہی ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہیئے اولاد کو اس طرح پڑھنا چاہیئے پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہے تو غیر اختیاری امور کے لئے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے اسی قطع تجویز کے لئے حدیث میں ہے: ((اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسيت فلا تحدث نفسك بالصباح)) کہ ’’جب صبح ہو تو شام کے متعلق اپنے دل میں

---

(۱) قینچی سے کاٹی جاتیں۔

خیال نہ لاؤ اور شام ہو تو صبح کے متعلق خیال نہ لاؤ‘‘۔ راحت اسی میں ہے اسی لئے اہل اللہ نے تجویز کو قطع کر کے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۱)

اور یہ مذہب بنالیا ہے ۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے یار دل رنجان من (۲)

انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم خدا کے ہیں ان کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں تصرف کریں۔

تفویض کے طریقے

پھر اس کے بھی دو طریق ہیں کبھی تو استحضار ثواب سے تفویض حاصل ہوتی ہے کہ اس سے ہم کو ثواب ملے گا شاید آپ یہ کہیں کہ یہ تو وہی پہلا علاج ہو گیا۔ مگر نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے پہلی صورت میں تو استحضار ثواب خود علاج تھا اور اس صورت میں اصل علاج تفویض (۳) ہے اور استحضار ثواب تقویتِ تفویض (۴) کے لئے ہے۔ اور کبھی محض رضاء حق (۵) کے لئے تفویض کی جاتی ہے استحضار ثواب کو بھی اسمیں دخل نہیں ہوتا گو ثواب بھی(۶) مل جائے مگر یہ ثواب

---

(۱) زندگی دیں آپ کی عطا ہے موت دیں تو جان آپ پر قربان دل آپ کی محبت میں گرفتار ہے جو آپ کی مرضی ہو کیجئے (۲) اے میری جان اگر میری پریشانی سے تو خوش ہے تو میں اس پر بھی خوش ہوں اس لئے کہ میرا دل تجھ پر فدا ہے جس بات سے تو راضی اسی سے میں راضی (۳) حقیقی علاج اپنے حال کو اللہ کے سپرد کرے (۴) اور ثواب کا خیال قائم کر لینا یہ اس حالت سپردگی کی تقویت کے لئے ہے (۵) صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے (۶) ثواب کا تصور قائم کرنے کی بھی ضرورت نہیں اگر چہ ثواب مل جائے۔

کے لئے تفویض نہیں کرتا گو ثواب سے استغنا بھی نہیں (۱) ہوتا بلکہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا صرف استحقاق کی نفی ہوتی ہے کہ اگر ثواب نہ ملے تو عین عدل ہے کیونکہ میں اس کا مستحق نہیں (۲) یہ شخص محض اس لئے تفویض کرتا ہے کہ محبوب کا حق یہی ہے کہ اس کے سامنے اپنی رائے اور تجویز کو فنا کردیا جائے (۳) یہ تفویض کا اعلیٰ درجہ ہے کیونکہ جو تفویض ثواب کے لئے ہوتی ہے وہاں عمل مفوت ثواب سے انقطاع تفویض کا احتمال (۴) ہوسکتا ہے اور تفویض للرضا میں احتمال نہیں رہا' یہ کہ تفویض کے بعد بھی بقاء رضا میں تو شبہ واحتمال ہوسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو جب تک تفویض باقی ہے رضا بھی باقی ہے۔ دوسرے صوفی ابن الحال ہوتا ہے وہ آئندہ کی فکر نہیں کرتا وہ بقاء رضا میں بھی تفویض سے کام لیتا ہے۔ مگر یہ علاج چونکہ خاص ہے اس لئے میں نے اس کو تتمیم کے طور پر بیان کردیا ہے۔

ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے

ورنہ اصل علاج عام وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ استحضار ثواب کا مراقبہ کرے اور یہ بات سمجھ لے کہ ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے اور آخرت میں تو ملتا ہی ہے۔ دنیا میں بھی نعم البدل ملتا ہے اور خدا پر بھروسہ کر کے میں نہایت زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا میں بھی اس کو نعم البدل کا مشاہدہ ضرور ہوگا مگر اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کے معاملات میں غور کرتا رہے کہ اس واقعہ میں

---

(۱) مگر یہ ثواب کی نیت سے سپرداری نہیں کرتا اگرچہ ثواب سے بے نیاز بھی نہیں (۲) صرف یہ سمجھتا ہے کہ میں ثواب کا مستحق نہیں اگر نہ ملے تو بھی ظلم نہیں بلکہ عین عدل وانصاف ہے (۳) اپنی رائے اور خواہش کو ختم کردیتا ہے (۴) وہاں اس عمل سے جس میں ثواب کی طلب ہو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس میں سپردگی کمال درجہ کی نہیں ہے اور جو صرف خدا کی خوشنودی کے لئے تفویض ہو اس میں یہ شبہ نہیں۔

کیا حکمت ہے اگر غور کرتا رہے گا تو ہر واقعہ کی مصلحت سمجھ میں آجائے گی۔

بحمداللہ مجھے تو خدا نے یہ دولت عطا فرمائی ہے مجھے تو ہر واقعہ میں کھلی آنکھوں مصلحت وحکمت کا مشاہدہ ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل جو مجھے عذر ہے اس کی نسبت میں بیان نہیں کرسکتا کہ اس کا میرے دل پر کس قدر حظ (۱) ہے کیونکہ میں عرصہ سے یہ چاہتا تھا کہ سفر منقطع کردوں کیونکہ مجھے سفر سے کلفت (۲) ہوتی تھی اور میں اس کے لئے بہانہ اور عذر تلاش کرتا تھا لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ میرے جسم ہی میں ایک چیز ایسی موجود ہے جو میری اس کلفت کے رفع کا ذریعہ (۳) بن جائے گی یعنی مجھے آنت اترنے کا مدت سے مرض تھا لیکن پہلے اس میں کوئی تکلیف نہ تھی اب کچھ عرصہ سے اس میں خاص تکلیف شروع ہوگئی کہ اپنے موقع پر سے اس کا ہٹنا تکلیف کا سبب ہوتا ہے اور ادنی سبب سے وہ ہٹ جاتی ہے جس سے تحرز خصوص سفر میں مشکل ہے لہذا اب میں نے سفر منقطع کردیا تو خدا نے مجھے یہ عذر ایسا دیا جس سے میری تکالیف کا انسداد ہوگیا اسی طرح ہر وقت کوئی نہ کوئی مصلحت اور فائدہ ہر واقعہ میں سمجھ میں آجاتا ہے حتی کہ کسی عزیز کی موت میں بھی اور مصیبت و رنج کے واقعات میں بھی اور کم از کم یہ فائدہ تو ہر واقعہ میں مشاہد ہے کہ اس سے اخلاق کی اصلاح ہوجاتی اور اپنی حقیقت و عجز کا مشاہدہ ہوجاتا ہے اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔

غم کا فائدہ

تو صاحبو! اگر غم بھی ہومگر غم کی حکمت سمجھ میں آجائے تو غم ہلکا ہوجائیگا یہی وجہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کرام کو غم سے پریشانی کم ہوتی ہے پس انسان کو جو مصیبت پیش

(۱) اس سے دل بہت خوش ہے (۲) پریشانی (۳) میری اس تکلیف کو دور کرنے کا ذریعہ بن جائیگی۔

آئے اس وقت یہ سمجھ لے کہ مجھے اس میں نفع ضرور ہوگا آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی، گو دنیوی نفع ابھی سمجھ میں نہ آئے مگر غور کرتے کرتے وہ بھی سمجھ میں آنے لگے گا اور نہ سمجھ میں آئے تو آخرت کا نفع تو ہے ہی اور وہی ہمارا اصلی گھر ہے اس کے نفع کو مقدم سمجھنا چاہیئے گو دنیا کا نفع بھی من وجہ مطلوب ہے مگر آخرت کے برابر نہیں اور یوں تو آدمی سفر میں ریل میں اور سرائے میں بھی اپنی راحت کا اہتمام کرتا ہے کہ جگہ اچھی اور گرمی سردی کا آرام ہو تو اسی درجہ میں دنیا کی راحت کا بھی بقدر ضرورت اہتمام کرنے کا مضائقہ نہیں کیونکہ دنیا کی مثال آخرت کے سامنے سرائے جیسی ہے اس لئے دنیا کی مصلحت و منفعت بھی ایک درجہ میں مطلوب ہے اور شریعت نے بھی اجازت دی ہے۔

شبہ کا جواب

اور یہاں سے ایک شبہ کا جواب بھی ہوگیا وہ یہ کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء شریعت دنیا کمانے سے اور دنیا کی راحت ومنفعت سے روکتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں، قنوج میں ایک صاحب نے مجھ سے خود کہا کہ میں نے تو تمام شریعت کا خلاصہ یہ سمجھا ہے کہ نہ غم میں روؤ! نہ خوشی میں ہنسو! بس پتھر بن کر رہو اور مر جاؤ‘ میں نے کہا سبحان اللہ آپ نے خوب خلاصہ نکالا بلکہ شریعت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی حال میں پریشان نہ رہو بلکہ راحت سے رہو غم میں بھی اور خوشی میں بھی کیونکہ شریعت غم کے ہلکا کرنے کا طریقہ بتلاتی ہے اور راحت کے متعلق ایسے امور کی تعلیم دیتی ہے جس سے اسباب راحت میں ترقی ہو زوال نہ ہو۔

آج کل کے لوگوں کے خلاصہ شریعت کی مثال

واللہ لوگوں نے شریعت کو سمجھا نہیں اس لئے یہ غلط خلاصہ نکالا گیا یہ خلاصہ ویسا ہی ہے جیسے مولانا جامیؒ نے قصۂ یوسف وزلیخا کا خلاصہ نکالا تھا وہ سفر میں ایک شخص کے رفیق تھے روٹی تھوڑی تھی اس نے مولانا جامیؒ کو باتوں میں لگانا چاہا تاکہ خود روٹی زیادہ کھا جائے اور کہا مولانا آپ نے یوسف وزلیخا کا قصہ لکھا ہے ذرا وہ قصہ بیان تو کیجئے مولانا جامیؒ سمجھ گئے کہ اس کا مقصود کچھ اور ہے فرمایا جی ہاں قصہ تو بہت لمبا ہے مگر خلاصہ اُس کا یہ ہے۔ پیرے بود پسرے داشت گم کردہ بازیافت ''ایک بڑے میاں تھے ان کا ایک لڑکا تھا وہ گم ہوگیا تھا پھر مل گیا'' یہ کہہ کر کھانا کھانے لگے۔ نیز یہ ایسا خلاصہ تھا جیسے ایک صاحب نے یہاں خانقاہ میں رہ کر تصوف کا خلاصہ نکالا تھا کہ مجھے تو یہاں کی تمام تر تعلیم کا خلاصہ یہ معلوم ہوا کہ پیر کی تعظیم خوب کرتے رہو میں نے کہا سبحان اللہ! اچھا خلاصہ نکالا گویا مشائخ مخلوق کو اپنا بندہ بنانا چاہتے ہیں نعوذ باللہ' اور نہ معلوم یہ خلاصہ انہوں نے کس تعلیم سے سمجھا حالانکہ یہاں تو تعظیم کی ممانعت ہے ہاں اطاعت کا حکم ہے کیونکہ اس طریق میں بدوں تقلید وانقیاد کے کام نہیں چل سکتا ان حضرت کا نام بدر تھا میں نے ان کو بَدَر کردیا یعنی ان کو سکون سے حرکت میں لے آیا۔ (۱) میں یہ کہہ رہا تھا کہ جن لوگوں نے شریعت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ دنیا میں پتھر بن کر رہو انہوں نے شریعت کو اور علماء کے مطلب کو نہیں سمجھا۔

(۱) اس کی لطافت اہل ذوق لسان سے مخفی نہیں کیونکہ رقامت سکوں ہے اور اخراج تحریک ہے اسی طرح میں دال کا سکون ہے اور بَدَر میں حرکت ہے ۱۲ ظ۔

علماء حلال مال جمع کرنے سے منع نہیں کرتے

ایک مولوی صاحب جو مالدار بھی تھے ان سے ترقی مال کے متعلق میری گفتگو ہوئی مگر وہ سمجھتے نہ تھے بالآخر میں نے یہ کہا کہ میاں تم تو مولوی ہو میں تم کو علمی اصطلاح میں سمجھاتا ہوں کہ علماء کی تعلیم کا حاصل اس باب میں یہ ہے کہ مال کو مقصود بالذات نہ بناؤ ورنہ بدذات ہو جاؤ گے بلکہ مقصود بالغیر بناؤ تو بالخیر رہو گے ورنہ مطلقاً جمع مال سے علماء منع نہیں کرتے اور وہ کیسے منع کر سکتے ہیں جبکہ حدیث میں حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ مصرح ہے کہ ایک مرتبہ وہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر برسنے لگیں اور وہ ان کو جمع کرنے لگے وحی آئی اے ایوب! کیا میں نے تم کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا ہے (۱) تو آپ نے عرض کیا (بلی یارب ولکن لا غنی بی عن برکتك) کہ "بے شک اے پروردگار آپ نے مجھے اس سے غنی کر دیا ہے لیکن میں آپ کی نعمت کی ترقی سے مستغنی نہیں ہوں" اگر مال جمع کرنا مطلقاً مذموم ہوتا تو ایوب علیہ السلام کا یہ جواب مقبول نہ ہوتا۔

نیز حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنا تمام مال صدقہ کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((امسك علیك بعض مالك هو خیر لك)) کہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ اپنے واسطے بھی رکھ لو یہ بہتر ہوگا چنانچہ انہوں نے خیبر کا حصہ روک لیا۔ نیز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اپنی ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ دیدیا کرتے تھے یہ بھی ایک گونہ جمع مال ہے۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے کہ حلال مال کی قدر کرو اس کو فضول ضائع نہ کرو ایک زمانہ تو وہ تھا جس میں مال کا جمع کرنا دین کے واسطے مضر تھا اور اب وہ زمانہ ہے کہ مال کا جمع نہ کرنا دین کے واسطے مضر ہے

(۱) کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام بہت مالدار تھے ۱۲ ظ۔

پھر فرمایا کہ اگر ہمارے پاس یہ چند دراہم ودنانیر نہ ہوتے تو یہ اہل دولت تو ہم کو اپنا رومال بنا لیتے یعنی ہم کو پامال کردیتے۔ اب کس کا منہ ہے جو علماء کو بدنام کرے کہ یہ دنیا کمانے اور مال جمع کرنے سے روکتے اور ترقی کے مخالف ہیں۔

لوگوں کی پریشانی کا سبب

پھر میں کہتا ہوں کہ آج کل جن اہل ترقی کو ترقی کی فکر ہے ان کو صرف آمدنی کی فکر ہے مگر اس کی ساتھ ہی وہ خرچ بھی بہت کرتے ہیں پھر اس طرح ترقی کیسے ہوگی۔ ترقی کی صورت تو یہ ہے کہ ترقی آمدنی کی ساتھ خرچ کو بھی کم کیا جائے پس ان لوگوں کا اپنے کو حامی ترقی کہنا غلط ہے جو دعوی بلا دلیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ شیخ الٰہی بخش صاحب رئیس میرٹھ کا مقولہ ہے کہ آمدنی کی فکر سے زیادہ خرچ کی فکر لازم ہے اگر خرچ کی فکر ہو تو تھوڑی آمدنی بھی کافی ہوجاتی ہے اور خرچ کا انتظام نہ ہو تو بہت آمدنی بھی کافی نہیں' آج کل لوگوں کی زیادہ پریشانی کا سبب یہی ہے کہ وہ اپنے خرچ کا انتظام نہیں کرتے اسی لئے پچاس اور ساٹھ روپے کی تنخواہ بھی ان کو قلیل معلوم ہوتی ہے (۱)۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مدرّسی سے پہلے میں نے ذہن میں اپنے لئے دس روپے تنخواہ تجویز کی تھی کہ بس ہم دو میاں بی بی کے لئے اتنا بہت ہے مگر آج کل تو بیس روپے کی تنخواہ کا نام بھی لینا عار ہے چنانچہ ہمارے ہی قریب ایک قصبہ میں چند مستورات نے جمع ہوکر اپنے اپنے شوہروں کی تنخواہوں کا تذکرہ کیا۔ اِن میں سے ایک عورت کے خاوند کی تنخواہ شاید بیس تھی جب اس کی باری آئی تو وہ یہ کہتی ہوئی شرمائی کہب لیس روپے تنخواہ ہے اس لئے وہ یوں کہتی ہے کہ تنخواہ تو ان کی بیس ہی روپے ہے مگر ماشاء اللہ اوپر کی آمدنی کافی ہے' ایک عورت نے کہا

(۱) کم معلوم ہوتی ہے۔

ارے کمبخت توبہ کر حرام مال پر ماشاء اللہ کہتی ہے غرض شریعت تو دنیا میں راحت کے ساتھ رہنے کی بھی اجازت بلکہ تعلیم دیتی ہے لیکن اس کو مقصود بالذات بنانے سے روکتی ہے پس اگر دنیا کا کچھ نقصان ہوجاوے اور اس میں دنیا یا آخرت کا نفع ہوجاوے تو وہ نقصان حقیقت میں کچھ نقصان نہیں وہ ایک تجارت ہے اپنے دل کو سمجھا لینا چاہیئے میں نے اوپر کہا تھا کہ دنیوی نقصان سے خود دنیا میں نفع ہوتا ہے جو غور سے سمجھ میں آتا ہے۔

نفع مند حکایت

مجھ کو اس پر ایک حکایت یاد آگئی بریلی میں ایک صاحب یتیم خانہ کے مہتمم تھے انہوں نے میرے نام ایک فتوی کے لئے خط لکھا اور پتہ میں اپنے نام کے ساتھ گورنر یتیم خانہ لکھا آجکل ایک آفت یہ بھی ہوگئی کہ جاہ مقصود بالذات ہوگیا جاہ کے لئے اپنے لئے خانہ ساز عہدے پھر ان عہدوں کے انگریزی نام تجویز کرتے ہیں تو ان صاحب نے اپنے کو گورنر لکھا مگر وہ ایسے گورنر تھے کہ جواب کے لئے آپ نے ٹکٹ تک نہ بھیجا تھا میں اس وقت تک ایسے خطوط کا جواب بیرنگ دیدیا کرتا تھا اس کا جواب بھی میں نے بیرنگ بھیجدیا تو گورنر صاحب نے واپس کردیا اور مجھے ایک آنہ دینا پڑا کیونکہ اس وقت ایک ہی آنہ محصول تھا اتفاق سے اسی زمانہ میں میرا جانا بریلی ہوگیا میں نے بھائی سے یہ قصہ بیان کیا کہ میں ان گورنر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں مجھے ان سے ایک آنہ وصول کرنا ہے یہ کیسے گورنر ہیں کہ استفتاء بھیجیں اور جواب کے لئے ٹکٹ نہ رکھیں اور بیرنگ جواب دیا جائے تو محصول بھی ہمارے ذمہ ڈالیں اس وقت بعض لوگ اور بھی بیٹھے تھے جب وہ چلے گئے تو بھائی نے کہا کہ تم نے غضب کیا اس وقت ان گورنر صاحب کے صاحبزادے بھی موجود تھے۔ میں

نے کہا یہ اچھا ہوا کہ میرا مدعیٰ (۱) حاصل ہوگیا کیونکہ میں تو ان کو اس تہذیب پر تنبیہ کرنے کے لئے ہی ملنا چاہتا تھا اب مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں صاحبزادے ضرور مطلع کردیں گے، دیکھئے ان گورنر صاحب کی حرکت سے میرا ایک آنہ کا نقصان تو ہوا مگر اس میں بھی حکمت تھی وہ یہ کہ میں نے آئندہ کے لئے قانون مقرر کرلیا کہ ایسے خطوط کا جواب بھی نہیں دیتا جن میں ٹکٹ نہ ہو۔ یہ مجھ کو نفع ہوا صاحبو! میرے پاس کوئی چھ مہینہ رہے تو میں ان واقعات الٰہیہ کے اسرار و حِکم اس کو برابر بتلاتا رہونگا جو روزانہ مجھے پیش آتے رہتے ہیں ہاں البتہ ان کے واقعات کا میں ذمہ دار نہیں کیونکہ اپنے واقعات کا علم انہی کو ہوسکتا ہے اور وہی اس کے منافع و حکم کو سمجھ سکتے ہیں۔

تفاخر وتکبر کا مرض

گورنر کے قصہ پر ایک مضمون ذہن میں آگیا کہ آج کل تفاخر وتکبر کا مرض ایسا عام ہوا ہے کہ علماء میں بھی یہ مرض سرایت کرگیا چنانچہ بعض نوجوان اہل علم اپنے ناموں کے ساتھ فاضل دیوبند لکھنے لگے ہیں میں کہتا ہوں کہ ہاں تم فاضل ہو مگر فضیلت سے نہیں بلکہ فضول سے کیونکہ جو لوگ واقعی صاحب فضیلت تھے ان کی تو یہ حالت تھی کہ اپنا نام بھی پورا نہ لکھتے تھے حضرت شیخ العلماء مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ نے ہمیشہ اپنے دستخط میں بندہ محمود ہی لکھا نام بھی پورا نہ لکھا فاضل یا عالم تو وہ اپنے کو کب لکھتے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے کو عالم ہی نہیں سمجھتے تھے ایک دفعہ خود فرمایا کہ ساری عمر کے علمی مشغلہ سے ہم کو تو یہ حاصل ہوا کہ جہل مرکب سے جہل بسیط میں آگئے یعنی اپنے جہل کا علم ہوگیا، اور اسی تفاخر کا یہ اثر ہے کہ اپنے ناموں کے

(۱) میرا مقصود حاصل ہوگیا۔

ساتھ نسبتیں لکھتے ہیں کوئی سبحانی بنتا ہے کوئی یزدانی' آج کل چھوٹی قوموں کو بھی انصاری بننے کی فکر ہورہی ہے ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ اسلام میں مساوات ہے اس لئے چھوٹی قوموں کو ذلیل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے لہذا مناسب ہے کہ ان کو بڑے بڑے القاب سے یاد کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾(۱) پھر آپ نے لکھا کہ چھوٹی قوموں کو اعظمی حنفی نعمانی وغیرہ القاب دیئے جائیں' میں نے کہا کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ شریعت نے نکاح وغیرہ میں جو کفاءت (۲) کے احکام مقرر کیئے ہیں وہ مصالح پر مبنی ہیں۔اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ" انتساب الی غیر الآباء حرام " ہے(۳) تو اگر ان لوگوں کو بڑے بڑے القاب مذکورہ دیئے گئے تو چند روز میں لوگ ان کو حضرت امام اعظمؒ کی اولاد سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ایک صاحب نے اپنے نام کے ساتھ نعمانی لکھنا شروع کیا تھا اور عام لوگ ان کو امام صاحب (۴) کی اولاد میں سمجھنے لگے پھر اس تفاخر نے یہاں تک ترقی کی کہ بعض لوگ انسان سے حیوان بننے لگے کوئی اپنے نام کے ساتھ طوطیٔ ہند لکھتا ہے کوئی بلبلِ ہند' میں نے کہا اب چند روز میں لوگ خر ہند اور زاغ ہند (۵) بھی بننے لگیں گے۔

مال کو مقصود بالذات بنانا منع ہے

اب میں اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں وہ یہ کہ بڑا سبب دنیوی نقصان سے پریشان ہونے کا یہ بھی ہے کہ مال و جاہ کو مقصود بالذات سمجھنے لگے اس

---

(۱) سبحان اللہ آیت کا مطلب آپ نے خوب سمجھا آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کو برے لقب سے یاد نہ کرو یہ تو مطلب نہیں کہ غیر واقعی بڑے بڑے القاب سے یاد کرو ۱۲ ظ (۲) برابری (۳) اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف اپنے کو منسوب کرنا حرام ہے (۴) اس لئے کہ امام صاحبؒ کا نام نعمان ہے (۵) ہندوستان کا گدھا اور ہندوستان کا کوّا۔

لئے اس کے فوت کے وقت اس کے نعم البدل پر نظر نہیں جاتی کیونکہ مقصود بالذات کا کوئی بدل نہیں ہوتا اگر ان کو مقصود بالذات نہ سمجھا جاوے تو اس کے بدل ملنے پر قناعت ہو جاوے اس مرتبے میں علماء اس کو مطلوب بنانے سے منع کرتے ہیں ورنہ علماء کسب حلال اور جمع مال سے مطلقاً منع نہیں کرتے بلکہ کسب حلال کو تو فرض کہتے ہیں کیونکہ حدیث میں اس کا امر(۱) ہے۔

ہر ترقی پسندیدہ نہیں ہے

چنانچہ میں نے ایک دفعہ ایک بیان میں کہا تھا کہ ترقی کے ہم مخالف نہیں البتہ بعض ترقی کے مخالف ہیں اور اس کو آپ بھی تسلیم کرینگے کیونکہ اگر ہر ترقی مطلوب ہے تو ورم بھی ایک ترقی ہے اس کا علاج کیوں کیا جاتا۔ پس جو درجہ آپ کے یہاں ترقی ورم کا ہے وہی درجہ ہمارے یہاں بعض ترقی درہم کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مال کے ایسے درپے نہ ہو کہ دین برباد ہو جائے ؎

مبادا دلِ آں فرومایہ شاد کہ ازبہر دنیا دہد دین بباد

اگر مال کے ساتھ دین پوری طرح محفوظ رہے تو پھر تم کو ترقی دنیا سے کون روکتا ہے جتنی چاہو ترقی کرو خواہ بادشاہ ہو جاؤ خواہ وزیر ہو جاؤ خواہ ہفت اقلیم کو فتح کر لو مگر حدود کے اندر رہو لیکن تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ حدود کی تمیز آپ کو خود نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے آپ کو اول کسی عالم کے پاس رہنے کی ضرورت ہوگی وہ آپ کو صدرا شمس بازغہ نہ پڑھائیگا بلکہ اس کی صحبت و تقریر ہی سے آپ کو حدود کا امتیاز ہو جائے گا۔ اکبر حسین صاحب جج مرحوم فرماتے ہیں ؎

ع دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(۱) اس کا حکم۔

دین سیکھنے کا آسان طریقہ

اور صحبتِ علماء و مشائخ کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ آپ اپنی ملازمت وغیرہ کو ترک کر کے ان کے پاس رہیں بلکہ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اپنی تعطیلات (۱) کا کچھ حصہ ان کی خدمت میں گزارو چھوٹی چھوٹی تعطیلوں کو تو اپنی تفریح وغیرہ میں صرف کرو ہاں بڑی چھٹی کی تنصیف (۲) کر کے نصف حصہ ان کے پاس رہو اور نصف حصہ اپنے وطن وغیرہ میں رہو اتنا بھی اگر آپ کرتے رہیں تو کافی ہے اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو یوں کہا جائیگا کہ آپ کو دین کی طلب ہی نہیں ابھی کچھ دن گزرے ہیں ایک صاحب عہدیدار میرے پاس آئے تھے وہ کچھ شبہات بیان کرنے لگے میں نے کہا کہ آپ کے شبہات کے جوابات تو حاضر ہیں مگر ممکن ہے کہ ان جوابات سے آپ کی تسلی نہ ہو۔ کیونکہ آپ کے شبہات تو برسوں کے پرانے ہیں اور آپ تشفی چاہتے ہیں ایک جلسہ میں یہ ٹھیک نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ آپ چھ مہینے یہاں رہیں تو امید ہے کہ آپ کی تسلی ہوجائے گی۔ اور اگر کسی کو یہ ڈر ہو کہ ہم متقی بن جائیں گے تو دنیا کے مزے جاتے رہیں گے تو میں کہتا ہوں کہ تم یہ نیت کرلو کہ متقی نہ بنیں گے مگر خدا کے لئے علماء و مشائخ کی صحبت میں رہ کر ایک دفعہ دین کو سمجھ تو لو اس کا یہ اثر ہوگا کہ تم کو متقی بننے کے لئے کوئی دقت پیش نہ آئیگی بلکہ تم خود بخود عمل کے مشتاق ہوجاؤ گے اور تم کو اس وقت اعمال دینیہ میں وہ حظ اور لذت آئیگی کہ دنیا کی تمام لذتوں کو بھول جاؤ گے۔

---

(۱) چھٹیوں کا کچھ زمانہ (۲) کوئی لمبی چھٹی آئے جیسے اسکول کالج مدرسوں میں گرمیوں اور رمضان وغیرہ کی چھٹیاں ہوتی ہیں اس کو دو حصوں میں تقسیم کرلو آدھی بزرگوں کے پاس گزارو اور آدھی گھر میں۔

صحبت کا کمال

علیگڑھ کے ایک طالبعلم ایم اے میرے پاس آتے ہیں پہلے وہ بھی آزاد تھے مگر اب ان کی یہ حالت ہے کہ دین کا ان کو عشق ہوگیا ہے اور ان کی حالت یہاں کے صلحاء کی برکت سے اس کا مصداق ہوگئی ؎

بگفتا من گل نا چیز بودم　　ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں درمن اثر کرد　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم (۱)

اب وہ دنیا سے اس قدر متنفر ہیں کہ ان کے چچا نے ایک دفعہ ان سے فرمائش کی کہ ایک بنیئے کے نام سودی قرض کا رقعہ لکھ دو انہوں نے صاف نکار کردیا چچا کو ناگوار ہوا ان کے والد کو اطلاع ہوئی ان کو بھی ناگوار ہوا اور کہا تم نے چچا کے حکم کی مخالفت کیوں کی؛ کہا وہ مجھ سے خدا کے حکم کی مخالفت کراتے تھے اور یہ مجھ سے نہیں ہوسکا ہاں میری ذات میں وہ کوئی تصرف کریں اس کے لئے میں جان و دل سے حاضر ہوں۔ مگر دین میں تصرف کریں تو یہ مجھ کو گوارا نہیں پھر خدا نے غیب سے یہ سامان کیا کہ ان کے چچا کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی یا کسی بزرگ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے ان کو اس حرکت پر تنبیہ کی اور بھتیجے کی تائید کی چچا نے خواب سے بیدار ہوکر توبہ استغفار کیا اور بھتیجے کو خط میں یہ سب واقعہ لکھ کر ان سے معافی طلب کی اور سب راضی ہوگئے؛ واقعی اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے سب کام غیب سے خود درست کردیتے ہیں۔ اب آپ کی یہ حالت ہوگی کہ اگر پہلے بیس کافی نہ ہوتے تھے تو اب دس کافی ہونگے اور دین برباد کرکے دنیا کمانے کی ہوس نہ ہوگی۔

---

(۱) میری خوشبو سے متعلق جب مجھے سے سوال کیا گیا تو میں نے کہا کہ میں تو وہی ناچیز مٹی ہوں لیکن ایک مدت پھول کی صحبت میں رہی ہوں اس کی خوشبو مجھ میں سرایت کرگئی ورنہ میں تو بے حقیقت خاک ہی ہوں۔

جج صاحب کا رشوت سے احتراز

ہوس نہ ہونے پر قصہ یاد آ گیا۔ اناؤ میں ایک سب جج تھے ان کے پاس دو تعلق داروں کا مقدمہ آیا ان میں سے ایک نے ایک لاکھ روپے رشوت میں پیش کئے سب جج صاحب نے اپنے نوکر کو حکم دیا اس نالائق کو باہر نکال دو ہر چند کہ تعلق دار کے سامنے ایک سب جج کی کوئی حیثیت نہیں مگر ایسے وقت وہ بھی کچھ نہیں بول سکتا جو خوشامد میں رشوت دیتا ہو اور دوسرا اس سے استغناء برتتا ہو۔ دوسرے فریق کو خبر ہوئی کہ ایک لاکھ روپیہ واپس کر دیا گیا وہ سوا لاکھ روپیہ لے کر آیا سب جج صاحب نے اس کو بھی نوکروں سے نکلوا دیا بتلایئے وہ کیا بات تھی کہ اس شخص نے سوا دو لاکھ روپے پر لات ماردی یقیناً اس کو رشوت لینے میں تکلیف تھی اور اس پر لات مارنے میں راحت تھی۔ مگر چونکہ وہ عالم نہ تھے اس لئے ایک حرکت انہوں نے خلاف بھی کی وہ یہ کہ غصہ میں فرمایا کہ پہلے میرا خیال اس مقدمہ میں انصاف کرنے کا تھا مگر چونکہ ان دونوں نے میرا دل بہت دکھایا ہے اس لئے اب ایسا فیصلہ کرونگا کہ دونوں سر پکڑ کر روئیں گے چنانچہ ایسا ہی فیصلہ کیا اور لطیفہ یہ ہوا کہ فیصلہ سنانے سے پہلے ان کی بدلی بھی ہوگئی مگر انہوں نے دو چار دن میں خوب محنت کر کے رات اور دن کا سارا وقت فیصلہ لکھنے میں صرف کیا اور جانے سے ایک دن پہلے فیصلہ سنا کر مقدمہ ختم کر کے چلے گئے پھر دونوں نے ہر چند ہائی کورٹ وغیرہ میں اپیل کی مگر ظالم نے ایسا مدلل فیصلہ لکھا تھا کہ کہیں نہ ٹوٹ سکا۔

عاشق صادق کا حال

صاحبو! اب ایسے شخص کو دنیا کی ہوس کیونکر ہوسکتی ہے بلکہ اب اس کو تھوڑی آمدنی کافی ہوگی اور تھوڑی سی عزت کافی ہوگی اور تمام افکار سے آزاد ہو کر

صرف ایک کی فکر میں گرفتار رہے گا اور اس آزادی پر خوش ہو کر یوں کہے گا ؎

نہ براشتر سوارم نہ چواشتر زیر بارم نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم(۱)

اور یوں کہے گا ؎

گردو صد زنجیر آرے بگسلم غیر زلف آں نگارے مقبلم (۲)

کیونکہ وہ زنجیر تو ایسی ہے کہ ؎

اسیرت نخواہد رہائی زبند شکارت بخوید خلاص از کمند(۳)

وہ تو ایسی قید ہے جیسے کسی عاشق کو اس کا محبوب جو کہ مدتوں کے بعد ترس کر ملا ہو پیچھے سے آ کر اس طور سے کہ اس کو خبر بھی نہ ہو اس کو بغل میں دبائے اور اتنا زور سے دبائے کہ اسکو طبعًا ناگوار بھی ہو مگر پیچھے مڑ کر دیکھا تو محبوب کے چہرہ پر نظر پڑی تو گویہ قید ہے کہ جاتے ہوئے کو روک لیا ایک جگہ محبوس کردیا قید بھی بامشقت ہے کہ زور سے دبالیا کیونکہ معشوق تو موٹا تازہ تھا اس کو کوئی فکروغم تھوڑا ہی جو دبلا ہوتا اور عشاق اکثر بوجہ غمِ عشق کے لاغر ونحیف ہوتے ہیں جیسا مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق معشوقاں نہان ست وستیر عشق عاشق بادو صد طبل و تفیّر

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند عشق معشوقاں خوش و فربہ کند(۴)

---

(۱) نہ میں اونٹ پر سوار ہوں نہ اس کے نیچے دبا ہوا ہوں نہ عوام پر حاکم اور خدا بن کے بیٹھا ہوں نہ لوگوں کا غلام ہوں (۲) اگر دو سو زنجیریں بھی مجھے باندھ دی جائیں تو کاٹ ڈالوں سوائے زلف یار کی زنجیر کے کہ وہ مجھے بدل وجان قبول ہے (۳) محبوب کا قیدی اس کی قید سے رہائی نہیں چاہتا اس کا شکار اس کے جال سے نکلنا نہیں چاہتا (۴) معشوقوں کا عشق پوشیدہ اور چھپا ہوا ہوتا ہے اور عاشق کے عشق کا ڈنکا بجا ہوا ہوتا ہے لیکن عاشق کا عشق اس کے جسم کو کمزور کر دیتا ہے اور معشوق کا عشق اس کو خوش اور موٹا کر دیتا ہے۔

اب اگر محبوب اس سے یوں کہے کہ تجھ کو تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دوں اور ساتھ ہی یہ چڑ کا بھی لگا دے کہ تجھے چھوڑ کر اسی طرح رقیب کو بغل میں لے لوں کہ وہ بھی اس کا مدت سے مشتاق ہے تو یقیناً عاشق یوں کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (۱)

اور کہے گا ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

محبوبِ حقیقی کے عُشّاق کا حال

تو جب ایک انسان کی محبت کا یہ حال ہے جو آپ ہی جیسا آدمی ہے مگر ذرا چمڑے کا رنگ کھلا ہوا ہے تو حق تعالیٰ کی محبت کا کیا حال ہونا چاہیئے جس کی نظیر کوئی بھی نہیں شیخ فرماتے ہیں ؎

ترا عشق ہمچو خودے زآب و گل رباید ہمہ صبر وآرام دل
عجب داری از سالکان طریق کہ باشند در بحر معنی غریق
دمادم شراب الم درکشند وگر تلخ بینند دم درکشند (۲)

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولی کے کم از لیلیٰ بود گوے گشتن بہراواولیٰ بود (۳)

---

(۱) دشمن کے مقدر میں یہ بات نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو جبکہ تیرے دوستوں کا سر سلامت ہے تو اپنی تلوار اس پر آزمالے (۲) تیرا عشق جو ایک مٹی اور پانی کے پتلے سے وابستہ ہے اس نے یہ حال کیا کہ تیرا صبر وسکون لے گیا مجھے ان سالکین طریق پر تعجب ہے کہ جو عشق الٰہی کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ شراب غم پیئے جارہے ہیں کتنی بھی تلخی ومشقت آئے برداشت کرتے جاتے ہیں (۳) مولیٰ کا عشق لیلی سے کیسے کم ہوسکتا ہے جب اس کے عاشق کا یہ حال ہے جو آگے بیان ہورہا ہے تو مولیٰ کے عاشق کا حال ہوگا۔

مولانا نے مجنون کے واقعہ پر یہ شعر لکھا ہے واقعہ یہ تھا کہ مجنون ایک دفعہ لیلیٰ کی زیارت کو اونٹنی پر سوار ہوکر چلا اونٹنی کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا جو پیچھے رہ رہ جاتا تھا اور اونٹنی بار بار اس کو مڑکر دیکھتی اور جس وقت مجنون اپنے خیال میں مستغرق ہوتا اور باگ ڈھیلی (۱) ہوجاتی اونٹنی پیچھے کو لوٹ جاتی پھر اس کو ہوش آتا اور یہ اس کو آگے بڑھاتا پھر مستغرق ہوجاتا اور اونٹنی پیچھے لوٹ جاتی جب بار بار ایسا ہوا اور راستہ کچھ طے نہ ہوا تو بے قرار ہوکر کہا ؎

هوى ناقتي خلفي وقدامي الهوى ۔۔۔ فانی وایاها لمختلفان (۲)

اور اوپر سے فوراً کود پڑا اونٹنی کو بٹھلا کر اترنے کا بھی انتظار نہ کیا اوپر سے کودا تو میاں کا پیر بیکار ہوگیا چلنے کے قابل بھی نہ رہا تو اب آپ نے لیٹے لیٹے لڑھکنا شروع کیا (۳)

مولانا اس پر فرماتے ہیں

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود ۔۔۔ گوے گشتن بہر اولیٰ بود

چونکہ وہ لڑھک رہا تھا اسی لئے ''گوے گشتن'' فرمایا جب لیلیٰ کی محبت میں یہ حال ہوگیا تو محبوب حقیقی کے عشاق پر کیا تعجب کرتے ہوٴاب اس کو نہ کسی کا مرنا معلوم ہوگا نہ جینا ہر حال میں خوش رہے گا۔ اب اس کو نہ مال وزر خدا سے مانع (۴) ہوگا نہ فاقہ اور تنگدستی' کیونکہ بعض لوگ مال وزر کے ساتھ بھی خدا سے علاقہ رکھتے ہیں اور بعض لوگ خالی ہاتھ ہوکر بھی خدا سے دور ہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

---

(۱) لگام (۲) میری اونٹنی کا مطلوب ومقصود میرے پیچھے اور میرا مطلوب ومقصود میرے آگے پس میرے اور اس کے دونوں کے مقاصد مختلف ہیں اس لئے اس کو چھوڑ کر پیدل چل پڑا (۳) اور کہا ؎

فان قطعت رجلي مشيت على العصا ۔۔۔ وان قطعت اخرى حبوتُ و حبيتُ

''اگر میرا پیر کٹ جائے تو لاٹھی کے سہارے آؤنگا اگر دوسرا کٹ جائے تو گھسٹ کر آؤنگا ۱۲ ظ (۴) مال و دولت اس کو خدا سے نہیں روکے گی۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل به تنہائی اندر صفائے نه بینی(۱)

اور اگر سلطنت ہو زمینداری ہو مگر دل خدا سے لگا ہوا ہے تو پھر یہ حال ہوگا۔

گرت مال وزر ہست وزرع وتجارت چو دل باخدایست خلوت نشینی(۲)

مگر ابتدا میں ایسی قوت نہیں ہوتی بلکہ چند روز اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ

قال را بگذارو مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو (۳)

خدا کی محبت پیدا کرنے کا آسان طریقہ

اگر کسی میں فطری قوت ہو کہ مادر زاد ولی(۴) ہو ابتدا ہی سے خدا کے ساتھ تعلق ہو تو مبارک ہو، ورنہ اگر کسی میں یہ قوت فطری نہ ہو تو جس طرح ورزش سے جسم میں قوت آجاتی ہے واللہ اسی طرح یہاں بھی بزرگوں کی صحبت سے اوران کی تعلیم پر عمل کرنے سے دل میں قوت آجاتی ہے مگر صحبت کا نام سن کر ڈر مت جانا وہ تم سے چکی نہ پسوائیں گے بے فکر رہو بلکہ آسان اور سہل طریق سے دل میں خدا کی محبت پیدا کردینگے پھر دل میں ایسی قوت ہوگی کہ نہ بیماری سے گھبرائے گا نہ فقرو فاقہ سے نہ کسی عزیز کے مرنے جینے سے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر

چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام بیماری میں بھی خوش تھے حالانکہ بیماری ایسی سخت تھی کہ تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے اعزہ و اقارب سب نے چھوڑ دیا تھا صرف ایک آپ کی بی بی حضرت رحمت علیہا السلام خدمت گذار تھیں اوراسی حالت

(۱) جب ہر وقت تیرا دل دوسروں میں اٹکا رہتا ہے تو پھر خلوت میں بیٹھنے سے بھی تجھے کیا فائدہ (۲) اگر مال و دولت کھیتی باڑی اور تجارت سب کچھ ہو لیکن دل میں خدا کی یاد بسی ہو تو جلوت میں بھی خلوت کا فائدہ ہے (۳) باتیں بنانا چھوڑو بلکہ اپنی حالت بدلو جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی شیخ کامل کے سامنے اپنے کو مٹادو اوراس کے کہنے پر عمل کرو (۴) ماں کے پیٹ ہی سے ولی پیدا ہوا ہو۔

میں تمام اولاد مرگئی مویشی اور غلام بھی مرگئے پہلے بڑے مالدار تھے اب مفلس ہوگئے تو حضرت رحمت نے عرض کیا کہ اے حضرت اب تو بہت تکلیف ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے' تو بی بی سے فرمایا کہ اے رحمت یہ تو بتلاؤ کہ ہم راحت و آرام میں کتنی مدت رہے فرمایا اسّی سال' فرمایا کہ اسّی سال تو کم از کم کلفت برداشت (۱) کرلیں پھر حق تعالیٰ سے عرض کرینگے ورنہ یہ کیا کہ جس خدا کی نعمتیں اسّی سال کھائیں چار دن کے لئے اگر وہ آزمائے تو اس سے گھبرا جائیں اور اس کی آزمائش کا تحمل نہ کریں۔ بتلایئے پھر اس سے بڑھ کر کیا راحت ہوگی کہ کلفت بھی کلفت نہ رہے راحت ہوجائے۔

خلاصۂ وعظ

خلاصہ یہ کہ دنیا میں مؤمن کو جس قدر تکالیف پہنچتی ہیں سب کا نعم البدل اس کو دونوں جہاں میں ملتا ہے پس درحقیقت یہ ایک تجارت ہے کہ ایک چیز دی گئی اور ایک چیز لی گئی اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے تو ان شاء اللہ رنج و غم کو ترقی نہ ہوگی۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور عمل صالح کی اور صبر کی توفیق ہو چونکہ طبیعت مضمحل ہے اس لئے زیادہ بیان کی ہمت نہیں قدر ضرورت پر اکتفا کرتا ہوں۔

وصلی اللّٰہ علی سیّدنا و مولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔(۲)

(۱) پریشانی برداشت کریں (۲) اللہ تعالیٰ محشی اور اس کے متعلقین کے حق میں بھی یہ دعائیں قبول فرمائے آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۹ شوال ۱۴۲۹ھ/ ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۸ء